اردو مثنوی
مطالعہ اور تدریس
ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

اردو مثنوی
مطالعہ اور تدریس

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

بار اوّل	۱۹۹۲ء
تعداد	۶۰۰
مطبع	لاہوتی پرنٹ ایڈز، ۱۳۹۷، جامع مسجد دہلی ۶
قیمت	۱۰۰/= روپے

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کے جزوی مالی تعاون سے شایع ہوئی

Title :- URDU MAS NAVI—Mutala Aur Tadrees

Dr. Fahmida Begum

Price Rs. 100/-

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

ڈی II/ سی ۱، موتی باغ I

نئی دہلی ۱۱۰۰۲۱

فہمیدہ بیگم
بنگلور
14-11-2000

انتساب

قلبی اور روحانی کرب کے ساتھ
آزادئ ہند کے بعد فرقہ وارانہ فسادات میں
جل کر قتل ہو کر مرنے والے ان تمام

بے قصور معصوم انسانوں کے نام

جن کو
مسلمان، ہندو، سکھ اور
عیسائی کے نام پر مارا گیا۔

فہمیدہ بیگم

تقسیم کار :-

ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، گلی عزیزالدین وکیل کوچہ پنڈت لال کنواں، نئی دہلی۔
ماڈرن پبلیشنگ ہاؤس، ۹ گولہ مارکیٹ دریا گنج، نئی دہلی۔
مکتبہ جامعہ۔ رحمت اللہ روڈ، بمبئی۔
اسٹوڈنٹ بک ڈپو چارمینار، حیدرآباد۔
اُردو لائبریری سنٹر سٹی مارکیٹ، بنگلور۔
بک امپوریم سبزی باغ، پٹنہ۔

اندراجات

اپنی بات

اردو مثنویاں مطالعہ اور تدریس میں دو باتوں کو مدنظر رکھا ہے۔

(۱) طالب علموں کو اردو مثنویوں کے بارے میں ایسا مواد ملے جس سے کسی حد تک اردو مثنوی کی اہمیت کا اندازہ ہو اور مطالعہ کا موقع بھی ملے۔ اس لیے اردو مثنویوں کے اس انتخاب میں قدیم مثنویوں کے ثقیل اور متروک الفاظ کے معنی فٹ نوٹ میں دے دیے ہیں تاکہ مطالعہ کا تسلسل اور دلچسپی قایم رہے خصوصاً امتحانات کی تیاری کرنے والے طالب علموں کا مواد کی تلاش میں وقت ضائع نہ ہو بلکہ مزید مطالعہ کا شوق ان میں پیدا ہو جائے۔

(۲) دوسرا اہم سبب یہ رہا کہ ہمارے یہاں بڑی حد تک اردو مثنوی کا سرمایہ ابھی تک علاقہ اور ادوار یعنی زمان اور مکان کے خانوں میں بٹا ہوا ہے۔ جیسے اتر پردیش یا لکھنؤ کی مثنویاں۔ دلّی کی مثنویاں، بہار کی مثنویاں، کرناٹک کی مثنویاں، عادل شاہی دور کی مثنویاں، قطب شاہی عہد کی مثنویاں وغیرہ وغیرہ۔

اردو ادب کی تاریخ کے طالب علم یا اساتذہ کے ذہنوں پر یہ تقسیم اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ وہ میر حسن، دیا شنکر نسیم۔ حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق عبدلؔ بیجاپوری اور ملا نصرتی کو ایک دھاگے میں پروتے ہوئے جھجک سی محسوس کرتے ہیں۔ اس کتاب کے ذریعہ میں نے یہی جھجک دور کرنے کی کوشش

کی ہے۔ کہ اردو مثنوی کی تاریخ میں جو تسلسل قایم ہے وہ واضح ہو جائے۔ جدید اور قدیم مثنویوں کا تقابلی مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ شمالی، جنوبی، مشرقی اور مغربی، ہندوستان کی مثنویوں کو ایک زنجیر کی کڑی کی حیثیت سے پیش کرنا میرا مقصد رہا ہے۔ بعض حصّوں کی مثنویاں مجھے ابھی اس ڈھنگ سے دستیاب نہیں ہوئی ہیں جیسے بہار، بنگال، پنجاب، راجستھان وغیرہ آیندہ ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کرنے کی امید کرتی ہوں۔ اس کتاب میں کل پندرہ مثنوی نگاروں کا منتخب کلام پیش کیا گیا ہے۔ جس میں روشن علی، میر تقی میر، مرزا محمد رفیع سودا، میر حسن، دیا شنکر نسیم اور اسمٰعیل امروہوی شمالی ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں اور باقی نو مثنوی نگار جنوبی ہندوستان سے۔

میر حسن، دیا شنکر نسیم وغیرہ کی مثنویوں کے معنی فٹ نوٹ میں دو سبب سے نہیں دیے کہ زبان جدید ہے دوسرا مشکل الفاظ کے معنی خود قاری تلاش کرنے کی کوشش کرے۔

انتخاب کلام سے پہلے اردو مثنوی کی ابتدا اور اقسام پر سرسری نظر ڈالی ہے پھر تدریس مثنوی کے بعض اصول پیش کیے ہیں۔ اردو مثنویوں کا بھرپور مطالعہ ابھی توجہ طلب ہے۔ مختلف زاویوں سے اس ادبی سرمایہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ تحقیق و تلاش کے جو دروازے کھلے ہیں۔ اس کی طرف بھی میں نے کچھ اشارے کیے ہیں اور ایک الگ انداز سے اردو مثنوی کے سرمایہ کا جائزہ لیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ قارئین کو یہ نئے ڈھنگ کی کوشش پسند آئے گی۔

اس کتاب کی اشاعت کے لیے مجھے فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ سے جو جزوی مالی امداد ملی ہے اس کے لیے میں کمیٹی کے سبھی اراکین اور چیرمین جناب رام لعل صاحب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔

اگست ۱۹۹۲ء
نئی دلی

فہمیدہ بیگم

اردو مثنوی کی ابتدا

اردو مثنوی کا آغاز نویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ ابتدائی مثنویاں زیادہ تر صوفیانہ رنگ کی ہیں جو اولیا اللہ کے ہاتھوں وجود میں آئیں اسی ابتدائی دور میں کدم راؤ پدم راؤ عشقیہ مثنوی بھی لکھی گئی۔ بہمنی عہد کے بعد گولکنڈہ، بیجاپور اور دیگر جنوبی ہندوستان کے علاقوں میں مثنوی نگاری کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ شمالی ہندوستان میں افضل کے بارہ ماسہ اور عاشور نامہ کے بعد یہ سلسلہ قایم ہوتا ہے مشرقی اور مغربی ہند کے علاقوں میں بھی مثنویاں لکھی گئیں۔ جو بتدریج منظر عام پر آرہی ہیں زیادہ شہرت لکھنؤ دلی اور جنوبی ہند کے بعض مثنوی نگاروں کو حاصل ہوئی۔

تقسیم مثنوی

اردو مثنویوں کی تقسیم بہ اعتبار موضوعات اس طرح کی جاسکتی ہے۔
(۱) عشقیہ مثنویاں (۲) تاریخی مثنویاں (۳) سوانحی مثنویاں (۴) متصوفانہ مثنویاں (۵) مذہبی مثنویاں (۶) رزمیہ مثنویاں وغیرہ۔

یہ تقسیم مثنوی کے مرکزی خیال کے تحت کی گئی ہے۔ عام طور سے دیکھا جائے تو مثنویاں ایک سے زیادہ موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ایک ہی مثنوی میں عشق بھی ہے اور تصوف بھی تو دوسری میں تاریخی واقعات بھی ہیں اور رزم بزم کا بیان بھی۔ صوفیانہ نکات کو سلیس اور سادہ انداز سے سمجھانے کے لیے قصہ کہانی، مذہبی عقیدوں وغیرہ کا سہارا بھی ضرور لیا گیا ہے۔ کہنا ہے کہ بہ اعتبار موضوعات تقسیم صرف مطالعہ کی سہولت کی خاطر ہے۔ اس

دور کی سماجی سیاسی تبدیلیوں کا اثر براہ راست ادب پر پڑ رہا ہے۔ ان خارجی اثرات کے ساتھ شاعر کی داخلی کیفیات کو بھی بڑا دخل ہے جس کا مزاج جیسا ہے وہی رنگ اس کی مثنوی پر غالب ہے۔

قدیم مثنویوں کے موضوعات

قدیم اردو مثنویوں کے موضوعات ہمہ گیر اور لامحدود ہیں۔ تقریباً ہر موضوع پر طویل اور مختصر مثنویاں ملتی ہیں کیوں کہ اس میں غزل کی طرح ساری مثنوی میں ایک قافیہ کی سختی نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس کے دو مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور کسی بھی مضمون پر طبع آزمائی کی بھرپور گنجائش ہوتی ہے۔ اور ایک موضوع پر ہزاروں اشعار بہ آسانی قلمبند کیے جاسکتے ہیں۔ مثنوی کی اس وسعت سے قدیم مثنوی نگاروں نے خوب فائدہ اٹھایا اور زندگی کے ہر پہلو پر شعبۂ فکر و عمل پر اظہار خیال کیا ہے۔ آج تک اردو کی تمام مثنویوں کی کوئی مستند اور معتبر تاریخ نہیں لکھی گئی ہے۔ اردو مثنوی کے کل سرمایہ کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کیونکہ اردو مثنوی کا بڑا حصہ ابھی تک مخطوطات کی شکل میں کتب خانوں کی زینت بنا پڑا ہے۔ ان کی ادبی اور لسانی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اردو ادب کی تاریخ اور اردو زبان کے ارتقاء کی تاریخ ان کے جائزے اور مطالعہ کے بغیر ادھوری رہے گی۔ نہ صرف زبان و ادب کی تاریخ بلکہ تہذیب و تمدن کی تاریخ بھی کیونکہ ان مثنویوں کے ذریعہ اپنے عہد کی تحریکوں رہنماؤں، مذہبی پیشواؤں، اہم شخصیتوں، راجاؤں مہاراجاؤں اور سلاطین کی زندگیوں کے واقعات حالات محفوظ ہوگئے ہیں۔

قدیم مثنویوں کے کردار

اردو کی مثنویوں میں وہ سب قیاسی اور حقیقی کردار موجود ہیں جن کا ذکر سننے میں آیا ہے۔ یا دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ساتھ ہی مافوق الفطرت کردار بھی موجود ہیں۔ جیسے انسان، جانور، پرندے دیو، پریاں شیطان، ابلیس، حتیٰ کہ بعض وقت سمندروں پہاڑوں،

ندیوں نے بھی ایک مجسم شکل اختیار کر لی ہے۔ انسانی کرداروں میں مختلف سماجی طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ تخلیق ہوئے ہیں۔ جیسے بادشاہ، وزیر، مزدور، امیر و غریب عورت، مرد، بچے، بوڑھے وغیرہ بعض کردار اپنی زمانی اور مکانی خصوصیات سے بھی پہچانے جا سکتے ہیں۔ جیسے بیجاپور کی مثنوی کے کردار اپنے اخلاق و عادات اور طرز فکر کے لحاظ سے گولکنڈہ کی مثنوی کے کرداروں سے مختلف ہیں یا میر سوداؔ کی مثنوی کے کردار جنوبی ہند کی مثنوی کے کرداروں سے جدا ہیں۔(۱) چندر بدن ماہیار اور قطب مشتری کے مابین واضح فرق موجود ہے۔ اس طرح اردو کے بارہ ماسہ کی ہیروئین گلزار نسیم اور سحر البیان کی ہیروئین کے کردار عادات اطوار میں مختلف ہیں۔ اردو کی منظوم راماینوں کے کردار شہادت ناموں اور جنگ ناموں کے کرداروں سے جدا ہیں۔ ان سب مثنویوں میں ہیرو پرستی کا عنصر غالب ہے۔ عقیدت و احترام کے پھول نچھاور کرنے کا جذبہ ہر جگہ نمایاں ہے۔

مثنویوں کے ذیلی عنوان

اُردو مثنویوں کے ذیلی عنوانوں کی دو نمایاں خصوصیات قابل ذکر ہیں۔

۱- عموماً ذیلی عنوان فارسی میں لکھے ہوئے ہیں۔ پھول بن کے کچھ عنوان ملاحظہ ہوں۔

۱- در بیان خواب دیدن صفحہ (۱۰۵)

۲- گرفتن و بلبل را پیش شاہ آوردن (۱۰۵)

۳- بیان شکار کردن و سیر کردن (۱۱۹)

مثنوی نگار دبستان گولکنڈہ کا ہو یا بیجاپور کا یا جنوبی ہند کے اور کسی علاقہ کے عموماً ذیلی عنوان فارسی نثر میں قایم کیے گئے ہیں۔

دوسری نمایاں خصوصیت عنوانات کی یہ ہے کہ اس فارسی نثر کے عنوان کے بعد ذرا اور وضاحت کے ساتھ آگے آنے والے حکایت کے مرکزی خیال کو اکثر شاعروں نے سرخی کے طور پر ایک شعر میں سمو دیا ہے۔ ان سرخیوں والے اشعار کی بحر مثنوی کی بحر سے جداگانہ ہوتی ہے، نصرتیؔ کی مثنوی علی نامہ اور ابن نشاطیؔ کی مثنوی پھول بن اس

کی بہترین مثالیں پیش کرتی ہیں۔ ان ذیلی سرخی والے اشعار کو یکجا کر دیا جائے تو مثنوی میں بیان کردہ کہانی کا خاکہ سامنے آجاتا ہے۔

جنوبی ہند کی طرح شمالی ہند میں بھی صنف مثنوی شعرا کی طبع آزمائی کا محبوب ذریعہ رہا مگر شمالی ہند میں مقابلتہً ابتدائی دور میں غزل کا رواج زیادہ رہا اس کے بعد بھی مثنویاں لکھی جاتی رہیں۔ آبرو، یکرنگ ناجی وغیرہ نے دیوان چھوڑے ہیں۔ غزل ان کی محبوب صنف سخن رہی ہے۔ ویسے کچھ مثنویاں بھی تحریر کی ہیں۔ بعض شعرا ایسے بھی ہیں جیسے روشن علی اسمٰعیل وغیرہ جن کی صرف مثنویاں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان مثنویوں کے اور دوسرے مثنوی نگاروں کے انتخابات بھی دیے جا رہے ہیں۔ جس سے اردو شاعری میں صنف مثنوی کی ہر دور اور ہر جگہ مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بہار، یوپی، بنگال، رجستھان اور پنجاب وغیرہ کے اردو شاعروں نے بھی مختلف موضوعات پر کثیر تعداد میں مثنویاں قلمبند کی ہیں جس کا الگ سے جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کے مختلف حصّوں میں بارہ ماسے لکھے گئے ہیں جیسے یوپی، بہار، راجستھان، پنجاب وغیرہ یہ تمام بارہ ماسے مثنوی کی ہیئت میں لکھے گئے ہیں جنوبی ہند میں بارہ ماسہ کا رواج نہیں رہا۔ بارہ ماسہ کے مطالعہ کے سلسلہ میں ڈاکٹر تنویر احمد علوی کی کتاب اردو میں بارہ ماسے کی روایت مطالعہ و متن بہت اہم مفید اور معلوماتی کتاب ہے۔

تدریس مثنوی

تدریس مثنوی کی تمہید کے طور پر مندرجہ ذیل نکات پر استاد مختصراً روشنی ڈالے۔ انٹرمیڈیٹ، بی۔اے اور ایم۔اے کی سطح کا لحاظ کرتے ہوئے ہر نکتہ کی وضاحت اس اعتبار سے مختصر یا طویل ہونی چاہیے۔

سب سے پہلے اُردو مثنوی کے آغاز کی مختصر تاریخ پیش کرتے ہوئے مثنوی کی تعریف اور اُردو مثنوی کے ماخذ کی نشاندہی کی جائے۔

انٹرمیڈیٹ کے طلباء کے لیے اُردو کی شعری اصناف اور ان کی ہیئتوں کی شناخت پر کھل کر بحث کرنا ضروری ہوگا اور ایم۔اے کے طلباء کے سامنے اس فن کی تمام باریکیوں کو پیش کیا جائے۔ بعض مبصرین نے بحر کے ذریعے بھی اصنافِ نظم کا تعارف کروانے کی کوشش کی ہے۔ ویسے ہیئتی اور موضوعی شناخت مثنوی کا تعارف کرانے کے لیے کافی ہوگی۔

اُردو میں مثنوی کے آغاز کی مختصر تاریخ پیش کرنے کے بعد صنف مثنوی کے ماخذ پر روشنی ڈالی جائے۔ موضوعی شناخت کے دوران اُردو مثنوی کے اغراض و مقاصد بھی پوری طرح بیان کیے جائیں، جس سے اُردو ادب کے ارتقا میں مثنوی کے کردار کی بھرپور وضاحت ہو جائے۔ جیسے قدیم مثنویاں ابتدا میں ادب کی ترویج و ترقی کے لیے نہیں بلکہ سماجی فلاح و بہبود اور خاص خاص مسلک کی تبلیغ اور صوفیانہ خیالات کو پھیلانے کے لیے وجود میں آئی تھیں۔ اس لیے ابتدائی دور میں تخلیقی مثنویاں زیادہ لکھی گئیں۔ حضرت شاہ میراجی شمس العشاق حضرت شاہ برہان الدین جانم، شیخ محمود خوش دہان اور ان کے خلفاء وغیرہ نے تخلیقی مثنویاں لکھیں۔ اس عہد میں متصوفانہ اور اخلاقی مثنویوں کی کثرت

پائی جاتی ہے۔ جب زبان کا دامن وسیع ہونے لگا تو بتدریج عشقیہ اور دوسرے موضوعات پر بھی مثنویاں لکھی جانے لگیں جن میں چندر بدن ماہ یار، قطب مشتری اور ابراہیم نامہ وغیرہ بہت معیاری ہیں۔ مثنویوں کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے ترجمہ اور تخلیقی مثنویوں کے موضوعات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالنی چاہیے۔ موضوعات کے اعتبار سے قدیم مثنویوں کی تدریس دلچسپی سے خالی نہیں۔ ویسے صرف موضوعات کی بنا پر اردو مثنوی کی تقسیم ایک مشکل امر ہے کیوں کہ ان مثنویوں کا دامن رنگ برنگے خیالات اور ملے جلے موضوعات سے مالا مال ہے۔ ان کا کوئی خاص احاطۂ فکر نہیں۔ مثنوی نگاروں کے فکر و خیال سے شاید ہی انسانی سماج کا کوئی شعبہ چھوٹا ہو۔ جو تقسیم انسانی سماج کے مختلف پہلوؤں کی ہوگی وہی ان مثنویوں کے لیے مناسب ہوگی۔ یہاں تک کہ بعض سائنسی علوم اور طبی موضوعات پر بھی مثنوی نگاروں نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ قصہ یا داستان کا ذکر کرتے ہوئے انسانی اور سماجی نفسیات کے عمدہ مرقع پیش کیے ہیں۔ ساتھ ہی نباتات، جمادات، جانور، پیڑ پودے، پھل پھول، جنگل دریاؤں اور پہاڑوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے تو شادی بیاہ، پیدائش و موت، سماجی رسم و رواج، طور طریقوں، بازاروں، مختلف قسم کی محفلوں، مجلسوں، درباروں، خانقاہوں اور عبادت گاہوں کا ذکر ملتا ہے۔ انواع و اقسام کے کھانے، زیورات اور لباس بھی شاعروں کا موضوع رہے ہیں۔ کہیں جنگ و جدل کے واقعات قلمبند کیے گئے ہیں تو کہیں رقص و سرود کی محفلیں نظر آتی ہیں۔ میدانِ کارزار کا ذکر جنگی ہتھیار کی تفصیلات کے ساتھ ملے گا۔ یہ مثنویاں اس اعتبار سے عظیم سرمایہ کی مالک ہیں اور تحقیق و توجہ طلب بھی۔

مثنویوں کی تدریس کے لیے اردو ادب میں صنف مثنوی کے ماخذ کے پس منظر سے آگہی ضروری ہے۔ پس منظر کے ساتھ سرمایۂ اردو مثنوی کا سرسری جائزہ پیش کیا جائے۔ اس تمہیدی لیکچر کے لیے استاد کو خوب تیاری کرنی پڑے گی کیوں کہ اس عنوان پر مواد اکٹھا نہیں ملتا۔ اور یہ غلط فہمی عام طور پر اردو میں ابھی تک موجود ہے کہ گلزار نسیم، سحر البیان اور شوق وغیرہ کی مثنویاں اردو کا سرمایۂ مثنوی ہیں۔ دراصل اردو مثنوی کا سرمایہ نویں صدی ہجری سے لے کر بیسوی صدی عیسوی تک کی مدت تک پھیلا ہوا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں چھوٹی بڑی مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ حضرت خواجہ بندہ نواز سے منسوب کلام سے قطعِ نظر نظامی بیدری کی مثنوی موسوم بہ کدم راؤ پدم راؤ اردو کی باقاعدہ مثنوی تصور کی گئی ہے۔

اس مثنوی کے شاعر کا نام فخرالدین اور تخلص نظامی ہے۔ وہ دکن کی خود مختار بہمنی سلطنت کے دور کا شاعر ہے۔ احمد شاہ نے گلبرگہ کے بجائے شہر بیدر کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ اور اس پایۂ تخت میں کئی عالم، ادیب اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے۔ نظامی بیدری کے تفصیلی حالات محفوظ نہیں رہ سکے ہیں۔ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ ایک ہندوستانی قصہ ہے۔ جسے نظامی نے قدیم اردو میں منتقل کیا ہے۔ یہ ایک عشقیہ انداز کی مثنوی ہے۔ بعد میں لکھی جانے والی پہلے دور کی زیادہ تر مثنویاں تصوف یا مذہب اور پند و نصیحت سے تعلق رکھتی ہیں اور حضرت شاہ میراں جی، شمس العشاق، ان کے خلفا اور فرزند برہان الدین جانم، ان کے خلیفوں نے ان مثنویوں کو لکھا ہے۔ اشرف احمد نگری کی مثنوی نوسرہار کا تعلق بھی اسی زمانے سے ہے۔ وجیانگر اور بہمنی سلطنت کے مکمل خاتمہ سے کچھ پہلے گولکنڈہ، بیجاپور، احمد نگر، بیدر اور برار میں نئی سلطنتوں کے آثار شروع ہو گئے تھے اور ان مقامات پر قدیم اُردو میں تصنیف و تالیف کے کام کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ ایک دو دہوں کی مدت میں شعرا اور مصنفین نے جم کر کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ دوسری اصناف کے ساتھ ساتھ صنف مثنوی نے تیزی سے ارتقا کی منزل طے کرنا شروع کر دیا تھا۔ پس منظر کے طور پر اس دور کے اہم مثنوی نگار شعرا کا تعارف کرایا جائے اور متصوفانہ مثنویاں قلمبند کرنے کے وجوہات سے آگہی بھی ضروری ہے۔ دھیرے دھیرے اردو مثنوی کا دامن موضوعی اعتبار سے بہت پھیلتا گیا اس کے سیاسی، سماجی اسباب اور قدیم اُردو کی قطب شاہی، عادل شاہی درباروں سے سرپرستی، دلچسپی اور خود سلاطین کا صاحب کلام ہونے والی تفصیلات پر روشنی ڈالی جائے۔ یہ بھی تمہیدی لکچر کی ایک کڑی ہوگی جس کے بعد طالب علموں کو کتابوں کی فہرست، بعض کتابوں کے متعلقہ ابواب کی نشاندہی کرتے ہوئے مطالعہ کے لیے مزید مواد فراہم کیا جائے۔ اُردو مثنوی کا مختصر جائزہ پیش کرنے کے بعد اُردو میں اہم مثنویاں کن کن مقامات پر لکھی گئیں اور ان کا تاریخ ادب اُردو میں کیا مقام ہے اس پر روشنی ڈالی جائے۔ اس منزل پر بھی حوالہ کی کتابوں کی فہرست طالب علم کو لکھانا چاہیے۔ مختصر تاریخِ مثنوی اور بنیادی معلومات سے واقف ہونے کے بعد اقسامِ مثنوی کے بارے میں بحث چھیڑی جائے۔ اقسامِ مثنوی پر روشنی ڈالنے سے پہلے استاد کو چاہیے کہ وہ خود اپنی معلومات کا جائزہ لے اور اپنے اطمینان کے لیے نئی نئی تحقیقات کا مطالعہ ضرور کرے۔ کیوں کہ اُردو مثنوی

کے اقسام پر بحث کرنے کے لیے وسیع مطالعہ کی شدید ضرورت ہے۔ اُردو ادب
کی یہ وہ صنف ہے جس نے اپنی نشو و نما کے لیے کئی ذرائع سے استفادہ کیا ہے اور
مواد کی فراہمی کے لیے دیسی اور بدیسی موضوعات اور عنوانات پسند کیے ہیں۔ اس سلسلہ
میں مثنوی کی تقسیم ماخذات کے اعتبار سے یوں کی جا سکتی ہے:

۱۔ خالص ہندوستانی قصے اور دوسرے موضوعات پر مشتمل تخلیقی مثنویاں،

۲۔ غیر ہندوستانی ماخذ موضوعات پر مشتمل تخلیقی مثنویاں اور ترکی، عربی، فارسی وغیرہ سے ترجمہ کی ہوئی مثنویاں۔

اس موضوع پر چند مثالوں کے ساتھ بحث کرنے کے بعد موضوعات کے اعتبار سے
قدیم مثنویوں کی تقسیم پر روشنی ڈالی جائے اور دوسرے موضوعات کے اعتبار سے
اُردو مثنویوں کے سرمایہ کی تقسیم مطالعہ کی سہولت کے لیے کی جا سکتی ہے:

ہر مقام پر مختلف ادوار میں مثنوی نگار سیاسی سماجی معاشی اور ادبی رجحانات
اکی تبدیلی کے مطابق اپنی فکر کو اثر انداز کرتے رہے ہیں۔ ان کے کلام میں
اس کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ گویا کہ۔

قدیم مثنوی نگاروں نے اُردو ادب کے سرمایہ کو ہر طرح کے زیور سے آراستہ کر دیا
ہے۔ مگر یہاں مقالہ کو بہت زیادہ طویل کرنا مناسب نہیں۔ اس لیے چند منتخب
مثالوں کے ساتھ بحث کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جس سے قدیم
مثنویوں کی چند اہم خصوصیات واضح ہو سکیں اور قدیم مثنویوں کے مطالعہ کے نئے
نئے گوشے سامنے آئیں۔ نیز طالب علم کی تلاش و جستجو کی صلاحیت متحرک ہو جائے جیسے
مثنوی کے قصّہ کا ماخذ۔ قدیم مثنوی نگار مثنوی کے سببِ تصنیف اور قصّہ کے ماخذ
کے بارے میں عموماً اظہارِ خیال کرتے تھے۔ ترجمہ شدہ مثنوی کے ماخذات کی
نشاندہی بھی ملتی ہے۔ شاعر اپنے بارے میں بھی معلومات فراہم کرتا ہے۔ مثنوی کے
ماخذ کی چند مثالیں یہاں دی جا رہی ہیں: مثنوی لیلیٰ مجنوں کا مصنف عاجز ہے۔ اس
مثنوی کو ڈاکٹر غلام عمر خاں نے مرتب کر کے شائع کروایا ہے۔

مثنوی کے قصّہ کا ماخذ

مثنوی لیلیٰ مجنوں

عاجز کی اس مثنوی کے بارے میں مرتب کا خیال ہے کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ شاعر نے کئی کتابوں خصوصاً ہاتفی سے فائدہ اٹھاکر یہ مثنوی لکھی ہے۔ ہاتفی نے اس قصّہ کو فارسی میں ۹۲۷ھ مطابق ۱۵۲۰ء میں نظم کیا تھا۔ ڈاکٹر غلام عمر خاں کے الفاظ میں:

"عاجز کی مثنوی ہاتفی کے قصّے پر مبنی ضرور ہے لیکن اسے ہاتفی کی مثنوی کا ترجمہ نہیں کہا جا سکتا۔ جہاں تک قصّے کے واقعات کا تعلق ہے عاجز نے ہاتفی کو نشان راہ بنایا ہے۔ لیکن بیان میں اختصار عاجز کی مثنوی کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اکثر مقامات پر جہاں کسی واقعہ کی تفصیل ہاتفی کے ہاں بیس پچیس اشعار میں بیان ہوئی ہے، عاجز نے بالعموم اسے دو چار اشعار میں پیش کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ عاجز کی مثنوی میں قصّہ تیزی سے حرکت کرتا ہے جبکہ ہاتفی کی مثنوی میں فارسی شاعری کی عام روایات کے مطابق جزئیات نگاری، لفظی اور معنوی صنعت کاری کہیں شاعری کے حُسن میں عیب کا باعث ہوتی ہے۔ تو کہیں دور از کار تخیل (FANTACY) اور صنائع و بدائع کی ریزہ کاری کی نمائش اکتاہٹ کا سامان پیدا کر دیتی ہے ..... عاجز نے اگرچہ اکثر و بیشتر صورتوں میں ہاتفی کے قصّے کے واقعات کی ترتیب وار پابندی کی ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر دوسری مشہور مثنویاں، اور شاید لیلیٰ مجنوں سے متعلق مقبول عام لوک کہانیاں بھی اس کے پیش نظر رہی ہیں، جن سے اس نے آزادانہ طور پر استفادہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر قصّے کے آغاز میں عاجز نے قیس کے باپ کو ایک بادشاہ، لیلیٰ کے باپ کو شہر کا بڑا تاجر اور بادشاہ کا مصاحب بنایا ہے۔ لیکن ہاتفی کی مثنوی کے مطابق قیس کا باپ عرب کا ایک رئیس ہے اور لیلیٰ کے باپ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عاجز کے بیان کے مطابق قیس اور لیلیٰ کی مائیں ایک دوسرے کی ہم راز سہیلیاں تھیں اور مل جل کر وقت گزارتی تھیں۔"

جزوی اختلافات کی تشریح طالب علم میں غور و فکر کی تحریک کا باعث ثابت ہو سکتی ہے۔

مثنوی میناستونتی

مثنوی میناستونتی میں شاعر غواصی نے قصّہ کے مآخذ کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کیا ہے۔ مثنوی میں پہلے تو مختصر سی حمد کہی ہے۔ نعت کے ساتھ ہی چاروں خلیفوں کی خدمت میں منقبت پیش کی ہے۔ پھر حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی مدح کے بعد قصّہ کے ماخذ پر روشنی ڈالی ہے:

نوازے ہیں بندیاں کو بندہ نواز	او صاحب جہاں کے ہیں گیسو دراز
رسالہ اتھا فارسی یو اول	کیا نظم دکنی سیتی بے بدل
عقل فہم عرفان کا کام ہے	محبّت کے دریا کا پُر جام ہے

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ فارسی رسالہ سے قصّہ کو لیا گیا ہے۔ جب کہ اس کی اصل ہندوستانی زبانوں میں موجود ہے۔

قصّہ کے ماخذ کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

سنگھاسن بتیسی۔ قصّہ بیر بکرم

فقیر دکنی نام کے ایک شاعر نے راجہ بکرماجیت کے قصّہ کو سنگھاسن بتیسی کے نام سے نظم کیا ہے اور اس نام کی صراحت اس نے مثنوی کے اختتام پر قصّہ کے ماخذ کا بھی ذکر کیا ہے۔ سنگھاسن بتیسی کا شمار دیو مالائی کہانیوں میں ہوتا ہے۔ دراصل قصّہ سنسکرت میں تھا جس سے ہندوستان اور دنیا کی دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا، چوں کہ اس میں سنگھاسن کی بتیس پتلیوں کا ذکر ہے اس لیے مثنوی کا نام بھی اسی مناسبت سے سنگھاسن بتیسی پڑا۔

فقیر دکنی کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اول دور میں جو ہوئے راویاں	قصّہ ہندی میں کیے ہیں بیان
بیاں بیر بکرم کا کہہ کر تمام	سنگھاسن بتیسی رکھے اس کا نام

جہاں گیر کے وقت میں یہ کتاب | کیے ترجمہ فارسی میں جواب
یہ تصنیف در وقتِ اورنگ زیب | قدیمی زبان پر کیا ہے فریب
جو اس شاہ عالم کے اب دور میں | یہ دکنی زبان میں کیا غور میں
کیا دکنی بولی میں اس کو تمام | قصہ بیر بکرم رکھا اس کا نام
ہے بندوں میں بندہ یہ کمتر فقیر | کہا جس نے یہ قصہ بے نظیر
رکھ شوق نامہ کرے سیر اُو | پڑھے حق میں تجہ فاتحہ خیر اُو
یہ نامہ کوں یاں کیا ہوں تمام | محمد پو پڑ کر درود اں سلام (ص ۹۶)

یہ بات واقعی دلچسپ ہے کہ قصہ سنسکرت سے فارسی میں منتقل ہوا پھر کسی قدیمی (ہندی) زبان میں اور اس زبان سے قدیم اردو یعنی دکنی اردو میں منتقل ہوا، اس کا نام کہیں قصہ بیر بکرم رہا تو کہیں سنگھاسن بتیسی، مذکورہ مثنوی کا نام بھی شاعر کے مطابق سنگھاسن بتیسی ہے۔

مثنوی خاور نامہ

مثنوی خاور نامہ کا شمار بھی ترجمہ کی ہوئی مثنوی میں ہوتا ہے یہ اردو کی ایک طویل ترین مثنوی ہے جسے رستمی نے ترجمہ کیا ہے اس کا واحد مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔ جسے ترقی اردو بورڈ کراچی نے ۱۹۶۸ء میں شائع کروایا۔ یہ مثنوی ۱۰۵۹ھ میں خدیجہ سلطان کی فرمائش پر لکھی گئی۔ مطبوعہ مثنوی میں ۲۴۰۰۰ شعر ملتے ہیں۔ فارسی خاور نامہ میں ۲۴ ہزار اشعار ہیں۔ دکنی خاور نامہ کا ماخذ ابن حسام کی فارسی مثنوی ہے جس کا نام بھی خاور نامہ ہے۔ رستمی نے مثنوی کے اختتام پر مثنوی کے نام کا اظہار کیا ہے اور اسے دکنی خاور نامہ سے موسوم کیا ہے۔

کیا رستمی اس وقت یو کتاب | بندیا بات کے گوہراں بے حساب
خاور نامہ دکنی کیتا ہوں نام | ہوا خاوراں پر قصہ سب تمام
اس اوپر بہت گزرے گا روزگار | اچھے گا یو دینا میں ہو یادگار
تو اس نامہ کوں نامہ شاہ جان | دوجے نامیاں پر شاہ دلخواہ جان

خاور نامہ فارسی اور خاور نامہ دکنی کے بارے میں خواجہ حمیدالدین شاہد نے لکھا ہے کہ
"ابن حسام کے خاور نامہ اور رستمی کے خاور نامہ کے عنوانات ایک دوسرے سے بالکل

مختلف ہیں۔ البتہ اکثر عنوانات کا مفہوم ایک دوسرے سے ملتا ہے۔ ترجمہ فارسی متن کے مطابق ہے۔ لیکن ترجمہ میں بعض جگہ دو چار اشعار مطلب کی وضاحت کے لیے تحریر کر دیے گئے ہیں اور کہیں کہیں فارسی کے ایک دو شعروں کے ترجمے کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور بعض اشعار مقدم و موخر ہو گئے ہیں لیکن اس سے نفس مضمون کے تسلسل میں کوئی فرق آنے نہیں پایا۔ مثنوی کی ابتدا ہی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔"

ابلیس نامہ

علاؤ الدین فقیر نے ابلیس نامہ کے عنوان سے جو مثنوی لکھی ہے اس کے ماخذ کی صراحت بڑی تفصیل سے کی ہے۔ کہتا ہے کہ یہ قصہ پہلے عربی میں لکھا گیا تھا جس سے فارسی میں منتقل ہوا۔ پھر اس نے اسے خاص و عام کے مطالعہ کے لیے قدیم اُردو میں منتقل کیا۔ عربی اور فارسی کے مصنفین کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملتی اور یہ بھی نہیں پتہ لگتا کہ یہ قصے نظم میں تھے یا نثر میں۔ یہ ایسے نکات ہیں جن پر ایم اے کی سطح کے طالب علم تحقیق شروع کر سکتے ہیں تاکہ ان کی تحقیقی تربیت کا آغاز ہو سکے۔

علاؤ الدین فقیر نے قصہ کے ماخذ کی ان تفصیلات کو یوں پیش کیا ہے:

عربی یو تھا او ہوا فارسی — نظر تل پڑ یا منج کوں جوں آرسی

ہوس، مجھ کوں یوں دیکھ پیدا ہوا — یہ توفیق حق کے ہویدا ہوا

ہوا تب نظم یو دکھن سال میں — موتی آبندے جوں دسیں تھال میں

قدیم مثنویوں میں تاریخِ تصنیف کی نشاندہی

اُردو تصانیف میں تاریخ تصنیف تحریر کرنے کی روایت ابتدا ہی سے ملتی ہے۔ قدیم مثنویوں میں تاریخ تصنیف تحریر کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔ مثنوی نگاروں نے مثنوی کے اختتام پر اکثر تاریخ تصنیف تحریر کر دی ہے۔ تاریخ تصنیف پیش کرنے کے انداز بڑے دلچسپ اور متنوع ہیں۔ طالب علم کے سامنے ان کی ایک ایک دو دو مثالیں ضرور پیش کرنا چاہیے۔ یہاں کچھ نمونے دیے جا رہے ہیں۔ ملا وجہی نے قطب مشتری میں "خاتمہ" کے عنوان سے جو اشعار کہے ہیں ان میں سنِ تصنیف

قطب مشتری کا مصرعہ بھی شامل ہے۔ شعر کے پہلے مصرعہ سے ظاہر ہے کہ یہ بارہ دن میں مکمل کی گئی ہے۔ مصرعے میں سنہ ہجری کا اظہار کیا گیا ہے:

ع جنے شعر بولیا اسے کیا ہے غم | کہ جیتا رہے ناٹوں اس جگ میں جم
تمام اس کیا دیس بارا منے | سنہ ایک ہزار ہور اٹھارا منے (۱۰۱۸ ہجری)

مثنوی ماہ پیکر

احمد جنیدی نے اپنی مثنوی "ماہ پیکر" کی تاریخِ تصنیف کا ذکر اپنے پیر و مرشد ناصر ولی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یوں کیا ہے:

الٰہی بہ حرمت کہ جوں آفتاب | کہ ناصر ولی کا ہے دو جگ میں داب
الٰہی بہ حرمت ہمہ اولیاء | کہ یو نظر کرنے کوں قوت دیا
الٰہی تو کر یو نظم جگ اوجال | کہ ہووے دو جگ میں جو محبوب مثال
نبی کی سو ہجر کا یو تھا قرار | چہار سال تین بیس پر ایک ہزار
کہ تاریخ دسویں محرم اتھی | ہوا ختم یوں نظم جوں مہ سیتی
کہ احمد جنیدی توں یہ بات کوں | کہ کر یو نہایت توں صلوات سوں
درود مصطفےٰ پر ہزاروں مدام | ہوا ختم الحمد سوں یو کلام

چوتھے شعر میں نبی کی ہجر سے مراد رسول اللہ کی ہجرت ہے اور چہار سال تین بیس پر ایک ہزار یعنی ۱۰۶۴ھ طالب علم مطالعہ سے شاید صحیح ہجری نہ نکال سکے بلکہ اسے ۱۲۰۳۴ (بارہ ہزار چونتیس) پڑھنے کی غلطی کر سکتا ہے۔ صحیح تاریخ کا اخراج یوں حاصل ہوگا۔ جس کی وضاحت استاد کرے۔

۳ × ۲۰	=	۶۰
۴ + ۶۰	=	۶۴
۶۴ + ۱۰۰۰	=	۱۰۶۴

۱۰۶۴ ہجری یعنی دس محرم ۱۰۶۴ھ ۔ ۱۰۶۴ - ۱ - ۱۰ ۔

اس طرح مثنوی ماہ پیکر کے اختتام کی تاریخ ۱۰۶۴ - ۱ - ۱۰ ہجری ہے۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

ابراہیم نامہ

"ابراہیم نامہ عبدل کی مشہور تاریخی مثنوی ہے۔ جسے پروفیسر مسعود حسین خاں نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔ پروفیسر صاحب نے ابراہیم نامہ کی تاریخِ تصنیف کے سلسلہ میں جو بحث کی ہے وہ بڑی جامع ہے۔ ایسے نمونے بھی طالب علم کے شوق مطالعہ کے لیے دلچسپی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

ابراہیم نامہ کے خاتمہ پر شاعر نے تاریخ تصنیف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

بچن پھول گوندیوں براہیم نام　　　کیا سہسی پر برس بارہ تمام

اس طرح ابراہیم نامہ کا سالِ تصنیف سنہ ۱۰۱۲ھ قرار پاتا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی، ڈاکٹر زور، ڈاکٹر نذیر احمد اور دیگر محققین نے اسے سنہ ہجری قیاس کیا ہے جس کا سنہ عیسوی ۱۶۰۳ برآمد ہوتا ہے۔ غالباً ان محققین کی نظر مثنوی کے آخری عنوان پر نہیں گئی ہے۔ جو دونوں نسخوں میں اس طرح ہے: " در تواریخ ختم کتاب ابراہیم نامہ شہور سنہ ۱۰۱۲" اس سنہ شہور کو ہجری سنہ میں تبدیل کر کے پھر عیسوی سنہ نکالا جائے تو ۱۲-۱۶۱۱ نکلتا ہے اور یہی ابراہیم نامہ کا سال تصنیف ہے [1]

ابراہیم نامہ کا (۲۱/۲۰-۱۰ھ مطابق ۱۲-۱۶۱۱ء) میں تصنیف ہونا حسبِ ذیل اندرونی شہادتوں سے بھی ثابت ہے:

(۱) بیجاپور کا ودیاپور نام ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء میں رکھا گیا تھا۔ عبدل نے بدیاپور یا بدھیا استعمال کیا ہے لیکن واضح طور پر لکھتا ہے کہ یہ بیجاپور ہی کا ایک نام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک شہر کے دونوں نام رائج ہوں گے!! "درتعریفِ شہر بیجاپور گوید" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

ع　سنوں اب صفت شہر من تخت ٹھاؤں　　　بدیاپور نگر ہے بھی اس کا جو ناؤں

ابراہیم نامہ کی تصنیف تک اس نام کو رائج ہوئے تقریباً سات سال کی مدت ہو چکی تھی اور یہ خاصا عام ہو چکا تھا۔

(۲) نورس پور کی داغ بیل ۱۰۰۸ھ/۱۶۰۰-۱۵۹۹ء میں ڈالی گئی تھی۔ ابراہیم نامہ کا

---

[1] سنہ ۱۰۱۲ شہور ۲۰ مئی ۱۶۱۱ء کو شروع ہوتا ہے جو مطابق ہے ۲۲ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ۔ یہ ختم ہوتا ہے ۲ مئی ۱۶۱۲ء مطابق ۳ ربیع الثانی ۱۰۲۱ھ۔

سالِ تصنیف سنہ ۱۰۱۲ھ/۳-۱۶۰۲ء مانا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نئے شہر اور محلات کی تکمیل اس وقت تک مکمل ہو چکی تھی اس لیے کہ نورس محل کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن صاحب واقعات مملکت بیجاپور کا بیان اس سلسلے میں یہ ہے:

"اس شہر کی تیاری میں ڈھیل یکایک اس وجہ سے پڑ گئی کہ نجومیوں نے بادشاہ سلامت سے عرض کی کہ اگر دارالسلطنت بیجاپور سے اٹھایا گیا تو یہ کچھ سازگار نہ ہوگا اور ضرور کوئی آفت عظیم نازل ہوگی .....،"

لہٰذا ۱۰۱۲ ہجری کو سالِ تصنیف قرار دینا غلط ہے۔ جیسا کہ دونوں نسخوں کے آخری عنوان میں درج ہے یہ ۱۰۱۲ھ مشہور ہے۔ اس لیے ابراہیم نامہ کا سنہ تصنیف ۲۱-۱۰۲۰ھ مطابق ۱۲-۱۶۱۱ء قرار پاتا ہے۔ اس لحاظ سے قدیم اردو کی ادبی مثنویات میں وجہی کی قطب مشتری، (۱۰۱۸ھ/۱۰-۱۶۰۹ء) کو ابراہیم نامہ پر دو سال کا تقدم حاصل ہے۔

تاریخ تصنیف برآمد کرنے کا ایک اور دلچسپ نمونہ ملاحظہ ہو۔

مثنوی تصویرِ جاناں

لچھمی نارائن شفیقؔ اورنگ آبادی کی تصنیف ہے۔ شفیقؔ اورنگ آبادی فارسی اور اردو کے مشہور شاعر ہیں۔ انھوں نے چمنستان شعرا کے عنوان سے اردو شاعروں کا تذکرہ ۱۱۷۵ھ میں لکھا ہے۔ مثنوی "تصویر جاناں" کی تاریخ تصنیف یوں نکالی ہے:

ا۔ ؎ ہزار اور ایک سو اسی ہیں اور آٹھ — کہ باندھا اس عمارت کا تو یں ٹھاٹھ

ب۔ سات شعر کہنے کے بعد دوبارہ تاریخِ تصنیف یوں نکالی ہے:

؎ ہوا جس وقت یہں اتمام اس کا — رکھا "تصویر جاناں" نام اس کا
شہیدِ ناز جب مل جائے اس سے — سنہ ہجری کو تب تو پائے اس سے

یعنی پہلے تو "تصویرِ جاناں" کے اعداد حاصل کیے جائیں:

تصویر جاناں کے ۸۱۱ عدد نکلتے ہیں اور شہید ناز کے ۳۷۷۔ دونوں کی جمع سے ۱۱۸۸ عدد برآمد ہوئے۔ اس طرح مثنوی کی تاریخ تصنیف ۱۱۸۸ھ قرار پاتی ہے۔

ت = ۴۰۰	ج = ۳	ش = ۳۰۰	ن = ۵۰
ص = ۹۰	ا = ۱	ھ = ۵	ا = ۱
و = ۶	ن = ۵۰	ی = ۱۰	ز = ۷
ی = ۱۰	ا = ۱	د = ۴	
ر = ۲۰۰	ں = ۵۰		
تصویر = ۷۰۶	جاناں = ۱۰۵	شہید = ۳۱۹	ناز = ۵۸
جملہ ۷۰۶ + ۱۰۵ = ۸۱۱		جملہ ۳۱۹ + ۵۸ = ۳۷۷	
کل میزان ۳۷۷ + ۸۱۱ = ۱۱۸۸ (ہجری)			

یعنی یہ مثنوی ۱۱۸۸ھ میں لکھی گئی ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

ے ہوا جس وقت میں اتمام اس کا　　　رکھا تصویرِ جاناں نام اس کا

مثنوی سیف الملوک بدیع الجمال

مثنوی سیف الملوک بدیع الجمال غواصی کی مشہور مثنوی ہے۔ مثنوی کے اختتامی اشعار میں تاریخِ تصنیف برعکس شفیق کی تصویرِ جاناں صرف ایک مصرعہ میں کہہ ڈالی ہے۔ دوسرے مصرعے میں مثنوی کی تصنیف کی مدت کا اظہار کیا ہے:

ے بہر حال یو نظم الہام سوں　　　کیا ہیں نول شاہ کے نام سوں

ے برس یک ہزار رہور پنج تیس ہیں (۱۰۳۵)　　　کیا ختم یو نظم دن تیس ہیں

یعنی یہ نظم ۱۰۳۵ھ میں تیس دن کی مدت میں مکمل کی گئی ہے۔

مثنویوں میں شاعروں نے تاریخِ تصنیف کی صراحت کے لیے جو نئے نئے ڈھنگ اختیار کیے ہیں۔ اس خصوصیت کو مثالوں سے واضح کرنا ضروری ہے جس کے بغیر قدیم مثنویوں کے مطالعہ کا مکمل لطف نہیں اٹھایا جا سکتا۔ تقابلی مطالعہ کے نقطۂ نظر سے شمالی ہند کی بعض مثنویوں سے بھی اس طرح کے نمونے پیش کیے جا رہے ہیں۔

سفرنامہ "خسروی"

منشی امیراللہ تسلیم لکھنوی کی سب سے طویل مثنوی ہے۔ تسلیم نے کئی مثنویاں لکھی ہیں، جو علمی، ادبی اور تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ سفرنامۂ خسروی" نواب حامد علی خاں صاحب کا منظوم سفرنامۂ یوروپ ہے۔ نواب حامد علی خاں اکتوبر ۱۸۹۳ء/ ۶/ ۱۳۱۱ھ میں انگلستان روانہ ہوئے تھے اس سفرنامہ کی ابتدا ابھی تسلیم آغاز سفر سے کرتے ہیں" صفحہ ۳۵۔ خنجر عشق اس سفرنامہ کی تاریخ تصنیف مندرجہ ذیل شعر کے حوالہ سے ڈاکٹر فضل امام نے ۱۳۱۲ھ قرار دی ہے۔

ے غرض میں نے لکھا پسِ ختم سال "سفرنامۂ خسروی" بہرِ سال

تاریخ تصنیف ۱۳۱۲ھ ہے اور سفرنامہ خسروی کے اعداد ہوتے ہیں

س	=	۶۰	خ	=	۶۰۰
ف	=	۸۰	س	=	۶۰
ر	=	۲۰۰	ر	=	۲۰۰
ن	=	۵۰	و	=	۶
ا	=	۱	ی	=	۱۰
م	=	۴۰			۸۷۶
ہ	=	۵			۴۳۶
		۴۳۶			۸۷۶
					۱۳۱۲

سفرنامہ خسروی طویل مثنوی ہونے کے ساتھ ساتھ اصلی سفرنامہ ہونے کا فخر حاصل کرتی ہے۔ اُردو میں منظوم سفرنامے سامنے نہیں آئے ہیں۔ اس لیے اس مثنوی کا ایک خاص مقام ہے اسے جلد

سے جلد شائع ہو جانا چاہیے۔ تاکہ ریاست رام پور کے نواب حامد علی خاں صاحب کے مشاہدات نظریات اور تجربات دنیا کے سامنے آ سکیں۔ اور بہ قول ڈاکٹر فضل امام اس کا واحد نسخہ دستیاب ہے جو شاعر کے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

"سفرنامہ خسروی۔ اس کا واحد مخطوطہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے یہ نسخہ "۸+۱۲" کی تقطیع، ۲۱ سطر اور ۶۶۴ صفحات پر مشتمل ہے کل تعداد اشعار تقریباً ۱۳۹۴۴ ہے۔ اس کی پیشانی پر بخط مصنف لکھا ہے" (ص ۳۵ مثنوی خنجر عشق)

مثنوی خنجرِ عشق

یہ مثنوی ۱۳۲۲ھ میں قلمبند ہوئی ہے۔ یہ اس کا تاریخی نام ہے، خنجر عشق کے اعداد سے ۱۳۲۲ تعداد نکلتے ہیں جو اس کی تاریخ تصنیف ہے۔

خ	=	۶۰۰	ع	=	۷۰
ن	=	۵۰	ش	=	۳۰۰
ج	=	۲	ق	=	۱۰۰
ر	=	۲۰۰			۴۷۰
		۸۵۲			

۸۵۲ + ۴۷۰ = ۱۳۲۲ھ

تواریخ کامل بھی تسلیم کی ایک اور طویل تاریخی مثنوی ہے۔ ڈاکٹر فضل امام نے اس کے اشعار کی تعداد ۳۹۰۶ بتلائی ہے اور ۱۳۰۸ھ اس کی تاریخ تصنیف ہے۔ تواریخ کامل اس کا تاریخی نام ہے، اور اس کا دوسرا نام تاریخ کونسل آف ریجنسی ہے۔ مگر تاریخ تصنیف تواریخ کامل سے برآمد کی گئی ہے۔

ت	=	۴۰۰	ک	=	۲۰
و	=	۶	ا	=	۱
ا	=	۱	م	=	۴۰
ر	=	۲۰۰	ل	=	۳۰
ی	=	۱۰			۹۱
خ	=	۶۰۰			
		۱۲۱۷			
		۱۲۱۷	+	۹۱	= ۱۳۰۸ھ

ان مثالوں سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ ہندوستان کے ہر مقام کے مثنوی نگاروں نے تقریباً ایک سا انداز اپنایا ہے۔ مشق کے طور پر طلبا سے اس کی چند مثالیں تلاش کروائی جا سکتی ہیں۔ جنوبی ہند اور شمالی ہند کا تقابلی مطالعہ اور تجزیہ یم اے کی سطح پر مقالہ کا موضوع بھی بن سکتا ہے اور مطبوعہ مثنویوں کے ساتھ ساتھ مخطوطات سے بھی مواد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

مثنوی سحرالبیان کے اختتام کی تاریخ مرزا قتیل نے تین فارسی شعروں سے نکالی ہے مثنوی کے آخری اشعار میں میر حسن نے اس کا اظہار کیا ہے مثنوی کے آخری شعر کے بعد میر حسن نے مرزا قتیل کے شعر نقل کیے ہیں۔

میرے ایک مشفق ہیں مرزا قتیل　　کہ ہیں شاہ راہِ سخن کے دلیل
سُنی مثنوی جب یہ مجھ سے تمام　　دیا اس کی تاریخ کو انتظام
زبس شعر کہتے ہیں وہ فارسی　　ہر اک شعر ان کا ہے جوں آرسی
انھوں نے شتابی اٹھا کر قلم　　یہ تاریخ کی فارسی میں رقم

تاریخ طبع زاد مرزا قتیل

"بہ تفتیش تاریخ ایں مثنوی　　کہ گفتش حسن شاعر دہلوی
زدم غوطہ در بحر فکر رسا　　کہ آدم بہ کف گوہر مدعا

بگوشم زہاتف رسید این ندا   برین مثنوی باد ہر دل فدا

ب	=	۲	ب	=	۲
ر	=	۲۰۰	ا	=	۱
ی	=	۱۰	د	=	۴
ن	=	۵۰	ہ	=	۵
م	=	۴۰	ر	=	۲۰۰
ش	=	۵۰۰	د	=	۴
ن	=	۵۰	ل	=	۳۰
و	=	۶	ف	=	۸۰
ی	=	۱۰	د	=	۴
			ا	=	۱
		۸۶۸			۲۳۱

جملہ ۸۶۸ + ۲۳۱ = ۱۱۹۹

مثنوی سحرالبیان کی تاریخ تصنیف ۱۱۹۹ھ قرار پائی۔

اسی طرح مصحفی نے بھی مندرجہ ذیل مصرعہ سے ۱۱۹۹ھ سحرالبیان کی تاریخ تصنیف برآمد کی ہے۔

"یہ بت خانۂ چیں ہے بے بدل"

اس کے برعکس مثنوی گلزار نسیم کی تاریخ تصنیف دیاشنکر نسیم نے مثنوی کے اختتام پر فارسی کے مندرجہ ذیل شعروں سے ۱۲۵۴ھ تاریخ تصنیف کہی ہے۔صرف آخری مصرعہ سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد
گلزار نسیم نام بنیاد
بشنید و نو یہ ہاتفے داد
"توقیع قبول روزیش باد = ۱۲۵۴ھ

تحریرِ مثنوی کی مدّت

پچھلی عبارت سے ظاہر ہے کہ مثنوی قطب مشتری بارہ دن میں لکھی گئی اور مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال ۳۰ دن میں مکمل ہوئی۔ چند اور نمونے ملاحظہ ہوں۔ بعض شعرا نے نہ صرف مدت بلکہ مثنوی شروع اور ختم کرنے کی تاریخ اور ماہ سال تک کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ علاؤالدین فقیر بارھویں صدی کا ایک شاعر ہے۔ جس نے ابلیس نامہ مثنوی تصنیف کی ہے۔ اس نے سنہِ تصنیف کے ساتھ ماہ اور تاریخ کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۱۳ ہجری میں ذالحجہ کی ۱۲ر تاریخ کو مکمل ہوئی تھی:

(۱) ایگارویں صدی پر برس تیرواں چلیا تھا زہجرت ہوا بعدازاں

(۲) مہینہ ہیں او ذی الحجہ تاریخ بست دیک ہوا ہے قصہ یو عجب نیک دیک

یہ مثنوی شائع ہو چکی ہے جسے اکبرالدین صدیقی اور مبارزالدین رفعت نے مرتب کیا ہے۔

سراج اورنگ آبادی نے ۱۱۶۲ اشعار کی طویل مثنوی بوستانِ خیال صرف دو دن میں نظم کر دی۔

زبس اس میں ہے سیر گلشن مدام رکھا بوستانِ خیال اس کا نام
عدد جب کہ اس نام کے آئے ہاتھ مطابق ہوئے سال وابیات ساتھ

یہ دو دن کی تصنیف ہے حسبِ حال زباں پر نکل آیا دل کا ابال
نظر میں نہ لاؤ تم اوس کا قصور کہ ہے دردمندی سے یہ بات دور

ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں لکھنا پڑھنا ادیبوں، شاعروں کی ایک کل وقتی مصروفیت تھی اور ادبی ماحول سلاطینِ دکن کے فضا میں دور دور تک رچ بس گیا ہے۔

مثنوی پھول بن، ابن نشاطی کا عظیم ادبی کارنامہ مانا جاتا ہے۔ جس نے ۳۹ صنعتیں۔ چھیاسٹھ موقعوں پر مثنوی میں استعمال کی ہیں۔ بہ قول ابن نشاطی:

ہنری کوئی نئیں دکھائے سو دکھایا صنایع ایک کم چالیس لایا
ہر ایک مصرعہ او پر ہو کر بیحد خوب رکھا ہیں قافیہ لا مستند خوب

بندھا ہر حرف میں یوں میں قرینہ — بوجھے سمجھ بھی یہ صنعت کا نگینہ
دکھایا ہیں سب کر ہنر کوں ہلکا — صفت کہتا ہوں شصت دشش محل کا
رکھیا ہیں مثنوی اونچی یو اس دھات — سکت نئیں کسی کوں انپڑنے وہاں بات
ولے استاد سوں تشبیہ دینا — چلی سو بات کوں میں نظم کینا
مری نظم ہیں انشا کے دھاتاں — اہے انشا کے دھاتاں ہور باتاں
غزل کا مرتبہ گرچہ اوّل ہے — ولے ہر بیت میرا ایک غزل ہے
غزل گرنیں کہے تو نیں ہے خامی — جو کچھ بولے سو ظاہر ہے نظامی
غزل نیں طوس کے استاد کوں نیک — ہزار آز ما کو "شہ نامے" منے دیک

اتنا بلند مرتبہ ادبی کارنامہ ابن نشاطی نے صرف تین ماہ کی مدت میں قلمبند کر دیا ہے۔ جس کا اظہار شاعر کے الفاظ میں یوں ہے:

ہزاراں شکر یو تازا حکایت — سرانجامی کرا، پایا سعادت
ہزاراں شکر یو قصہ ہنر کا — مٹھائی میں لیا جاگا شکر کا
ہزاراں شکر میری بات کے پھول — پڑے خدمت میں استاداں کے مقبول
ہزاراں شکر یو میری عبارت — فہم داراں کے دیتی دل کوں راحت
ہزاراں شکر میری طبع کا فن — ہوا سورج کے نمنے جگ پو روشن
ہزاراں شکر میرے ذوق کا کام — ہنرمندی سوں پایا خوب اتمام
کیا سوا بنارا دیک ماہ رجب — کمالیت کوں انپڑیا عید کوں سب
یو "پھول بن" تین مہینے لگ لگایا — پنم کا چاند ہو پورا نو آیا
مشقت سوں بہت دل لہو ہوا پر — کتک دن کوں دسیا یو مشک ہوکر

اس مثنوی کی ابتدا ابن نشاطی نے ماہ رجب میں کی تھی۔ یکی تاریخ کا ذکر تو اس نے نہیں کیا اور عید رمضان تک یہ مکمل ہو گئی یعنی تین ماہ کی مدّت کے اندر اندر ۱۷۴۴ اشعار نظم کیے، فی ماہ اوسطاً ۵۸۰ شعر ہوتے ہیں۔ زود گوئی کی یہ ایک اچھی مثال ہے۔ اس سے دکن کی ادبی فضا کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان دنوں علمی ماحول کا کیا عالم رہا ہو گا۔ بارہ دن میں قطب مشتری لکھی گئی تو دوسری طرف سیف الملوک بدیع الجمال ۳۰ دن میں نظم کر دی گئی۔ سراج اورنگ آبادی کی مثنوی بوستانِ خیال

کا تو جواب نہیں جو صرف دو دن میں لکھی گئ۔ ایسی مثالیں دنیا کی تاریخ میں شاید ہی ملیں۔

قدیم مثنویوں میں مثنوی کے نام کی صراحت

اکثر مثنوی نگاروں نے مثنوی کے اشعار کی ابتدا یا اختتام پر اپنی مثنوی کے نام کا ذکر کر دیا ہے۔ جس سے صحیح نام کا پتہ لگانے میں سہولت ہو جاتی ہے۔ ویسے مثنوی لکھنے سے پہلے عنوان یا نام مثنوی ضرور لکھا ہوتا ہے مگر بعض مثنویوں کے ناقص الطرفین یعنی ابتدائی حصّہ کے بغیر بھی مخطوطات ملے ہیں، جس کی وجہ سے مثنوی کا نام حاصل نہیں ہو سکا۔ اور ان مثنویوں کا نام ابھی تک نہیں ملا، جن کے اشعار میں نام کی صراحت نہیں کی گئ ہے چند نمونے یہاں پیش کیے جا رہے ہیں :

وجہی نے مثنوی کے تکمیل پانے کی اطلاع یوں دی ہے:

قطب مشتری

قطب مشتری میں جو بویا کتاب   سو ہوئی جگ میں روشن کہ جوں آفتاب

تصویرِ جاناں

لچھمی نارائن شفیق کی مثنوی تصویر جاناں کے اختتامیہ اشعار ملاحظہ ہوں :

ہوا جس وقت میں اتمام اس کا   رکھا "تصویر جاناں" نام اس کا

شہیدِ ناز جب مل جائے اس سے   سن ہجری کو تب تو پائے اس سے

ارے ساقی شرابِ ناب کو دے   بہا میں اس کے یہ ہوش و خرد دے

یہاں تک مست کر اور مجھ کو حیراں   کہ دیکھوں جام میں "تصویر جاناں"

علاؤ الدین فقیر نے اپنی مثنوی ابلیس نامہ کا اختتام یوں کیا ہے :

ابلیس نامہ

بیت ابلیس نامچہ کیاں   پانچ سو پچاس ہور پچیس ہوگیاں

مراتب ہوا قصہ تمت تمام   درود اں نبی آل پر والسلام

منشی امیر اللہ تسلیم نے قدیم اُردو کے مثنوی نگاروں کی طرح اپنی مثنویوں میں نام کی طرز
کی روایت کو برقرار رکھا ہے۔

مثنوی خنجر عشق سے انتخاب ملاحظہ ہو:-

زبان اچھی طرز بیان لاجواب | معانی والفاظ سب انتخاب
فراہم کیا ان کو ترتیب سے | روابط، ضوابط کی ترکیب سے
مناسب سمجھ کر دم اختتام | کہا دل نے رکھ "خنجر عشق" نام

اسی طرح

مثنوی معجزہ انار

اسمٰعیل امروہوی۔ گیارہویں صدی ہجری کا شاعر ہے تقریباً (۱۰۵۴ھ تا ۱۱۲۳ھ) موجود رہا۔ اسمٰعیل کے خاندان کے کئی افراد مغلیہ سلطنت میں اہم منصبوں پر فائز رہے۔ ان کی دو مثنویاں دستیاب ہوئی ہیں[1]۔ مثنوی "معجزہ انار" اور "وفات نامہ بی بی فاطمہ"۔ ان مثنویوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسمٰعیل امروہہ کے رہنے والے تھے۔

کہ ہے امروہا شہر میرا وطن | جو دلی کے نزدیک ہے باامن

(مثنوی معجزہ انار)

اسی طرح مثنوی وفات نامہ بی بی فاطمہ میں بھی اپنے وطن اور شہر کا ذکر کیا ہے۔

نبی پیر دی بیچ رہ اسمٰعیل | قیامت کون بخشنے گا رب جلیل
وطن امروہا میرا ہے، شہر نام | اسی جائے پر میرا ہے گا قیام
دلی کے گرد بیچ وہ شہر ہے | ندی سوت کی بھی وہاں نہر ہے

(۱) امروہہ کی مغربی سرحد پر "سوت ندی" زمانہ سابق میں ندی کی صورت میں بہتی تھی لیکن آج کل خشک ہو کر محض ایک تالاب سا رہ گیا ہے لیکن چند میل دور جا کر وہ ندی پھر جاری ہو گئی ہے۔

---

[1] (ان مثنویوں کو نائب حسین نقوی صاحب نے بڑی محنت اور تحقیق سے مرتب کیا ہے اور مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کیا ہے۔)

جہاں اب تالاب سا نظر آتا ہے اس پر ریلوے پل بنا ہوا ہے۔ اس میں عرصہ ہوا کہ ریل گاڑی ڈوب گئی تھی۔ روایت ہے کہ مصنف موصوف نے "سوت ندی" پر بھی کوئی مثنوی کہی تھی لیکن وہ مثنوی نایاب ہے۔ (نایٔب حسین نقوی صـ۱۹۳)

جنوبی ہندوستان کے مثنوی نگاروں کی طرح اسمٰعیل نے بھی مثنوی کے اختتام پر تاریخ تصنیف کی صراحت کر دی ہے۔ مثنوی بی بی فاطمہ میں مثنوی کی تصنیف کا سال مہینہ اور دن یہاں تک کے ساعت تک کا ذکر کر دیا ہے۔ یہ مثنوی ماہ رجب کی پچیسویں تاریخ کو چہار شنبہ کے دن بعد وقت ظہر مکمل ہوئی۔

اُوسے پھر دعا نام نیچ یاد کر　　　اوسی کا خدا تجھ کوں دے گا اجر

مہینہ جو رجب مرجب اتھا　　　بھی تاریخ پچیسویں، ماہ تھا

اتھے سال ہجری نبی کے عیاں　　　گیارہ سو اور پانچ تھے بوجھ جاں

جو دن چہار شنبہ بوقتِ ظہر　　　قصہ پورا کیتا بہوت فکر کر

وفاتی بی بی کی پڑھے جو بچار　　　توں بھی عاقبت نیک ہوئے ہوش دار

کرو توشہ تم عاقبت کا بہوت　　　وفات نامہ بی بی کا پڑھ کر تروت

قصہ پورا کیتا جو سن کان دھر　　　پڑھو کلمہ خوش ہوئے ہر وقت پر

مثنوی کی تاریخ تصنیف یوں ہوئی

بروز چہار شنبہ بہ وقت ظہر

۱۱۰۵ھ۔ ۷۔ ۲۵ کو مثنوی تکمیل کو پہنچی۔

اسمٰعیل نے اپنی دوسری مثنوی معجزہ انار میں تاریخ تصنیف کی صراحت یوں کی ہے۔

گیارہ سو او پر بیت سن تھے نبی　　　اسی روز قصہ کہا ہیں سبھی

لہٰذا تاریخ تصنیف ۱۱۲۰ھ مطابق ۱۷۰۸ء ہوئی۔

کیا نے سراج میں سراج اورنگ آبادی کی ایک مختصر سی مثنوی ۸۲ اشعار کی ملتی ہے۔
جس کے نام کا اظہار مثنوی کے آخر میں شاعر نے کیا ہے:

سوز و گداز

درد دل مثنوی میں لایا ہوں	غم کے طومار کوں سنایا ہوں
پردۂ راز دل کیا ہوں وعظ	نام اس کا رکھا ہوں "سوز و گداز"
خوب ہے اے سراج خاموشی	مست رہ پی کے جام بے ہوشی

مثنوی کے اندر نام کی صراحت کرنا لوازمات مثنوی میں شامل نہیں ہے۔ کئی مثنویاں طویل اور مختصر ایسی بھی موجود ہیں جن میں نام کا ذکر نہیں ہے اور خصوصاً مخطوطات میں اگر نام تحریر کرنے سے رہ گیا ہو تو مرتب نے قصہ اور موضوع کی نوعیت کے اعتبار سے خود ہی مثنوی کو کوئی نہ کوئی نام دے دیا ہے جیسے:

مثنوی کدم راؤ پدم راؤ جسے نظامی بیدری نے لکھا ہے۔ اس مثنوی کا صرف ایک ہی مخطوطہ دستیاب ہوا ہے۔ اشعار سے کوئی داخلی شہادت اس مثنوی کے اصل نام کی نہیں ملتی۔ اور نہ کسی اور تصنیف یا تذکرہ سے مدد ملتی ہے۔ اس لیے اس کی وضاحت مرتب نے اس مثنوی کے دو مرکزی کرداروں کدم راؤ اور پدم راؤ کے ناموں پر اس کا نام کدم راؤ پدم راؤ تجویز کیا اور آج تک یہ مثنوی اسی نام سے اُردو ادب میں متعارف ہے کیونکہ اس کے اصلی نام کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔ کدم راؤ دراصل کہانی کے راجہ کا نام ہے اور پدم راؤ اس راجہ کا وزیر ہے جس کی مدد سے راجہ دوبارہ اپنی سلطنت حاصل کر کے اپنی خوشی کی زندگی گزارنے لگتا ہے۔
"جنت سنگار" کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔

طالب علم کے سامنے ان اختلافی جزیات کو بھی واضح طور سے سامنے لانا چاہیے۔

مثنوی میں دیگر اصناف نظم

یہ بھی قدیم اُردو مثنوی کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ جس کی چند مثالیں طالب علم کے سامنے پیش کی جائیں۔ کئی مثنوی نگاروں نے مثنوی کے درمیان قصیدہ، غزل، رباعی

جیسی اُردو کی اصنافِ نظم کو شامل کیا ہے۔ مثلاً قطب مشتری میں، غزلیں اور ۸ رباعیاں ملتی ہیں علی نامہ میں، طویل قصیدے ہیں۔ ابن نشاطی نے پھول بن کے اختتام پر خوشی اور شکریہ کا اظہار ایک غزل کے ذریعہ کیا ہے۔ میراں جی شمس العشاق کے ہاں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ ملا نصرتی کی تصنیف علی نامہ میں مندرج قصیدوں کی نشان دہی کی روداد مندرجہ ذیل ہے:

صفحہ نمبر	عنوان قصاید	تعداد اشعار
۵۷		۱۵۶
۶۰	فتح بادشاہ غازی و شکست جوہر صلابت خاں	۵۵
۱۰۱	بادشاہ غازی بیجاپور کو آنے کا	۲۷
۱۰۶	ٹھنڈ کی تعریف کا لکھتا ہے	۲۳
۱۱۰	بادشاہ بیجاپور کوں آکر جشن کیے سوں	۶۴
۱۲۰	عاشورے کے بیان میں	۴۸
۱۴۴	ملناڈ کا ملک فتح کرنا بادشاہ کا	۲۲۰

قصاید کے کل اشعار ۵۹۳

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ ابن نشاطی نے اپنی مثنوی پھول بن کے اختتام پر اظہارِ تشکر و مسرت کے لیے ایک غزل کہی تھی۔ اس غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اہے تازہ چمن پیوستہ میرا　　شگفتہ ہے سدا گلدستہ میرا
لطافت میں ہے جیوں خوباں کی ابرو　　ہریک مصرع ہے برجستہ میرا

دیا ہے جگ کوں رونق یک طرف تے　　ہے یو بازار جو دو رستہ میرا
بہت خونِ جگر کھا کر ہُوا گل　　کلی نمنے جو تھا فن بستہ میرا

کرم سوں حق کے پایا آج راحت
فلک سوں تھا جو خاطر خستہ میرا

اس سلسلہ میں استاد یہ بات ضرور واضح کرے کہ ہر مثنوی کے اندر غزل یا قصیدہ کا لکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ شاعر کا خصوصی اندازِ تحریر ہے۔ جیسے:

۱۔ مثنوی نوسرہار ۹۰۹ھ از شاہ اشرف الدین اشرف۔ مرتب افسر صدیقی مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان۔

۲۔ سنگھاسن بتیسی از فقیر دکنی، مرتب افسر صدیقی ۱۹۸۴ء

۳۔ مثنوی مینا ستونتی از غواصی ۔ مرتب ڈاکٹر غلام عمر خان مطبوعہ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد۔

۴۔ مثنوی ماہ پیکر از احمد جنیدی۔ مرتب پروفیسر سیدہ جعفر۔ وغیرہ مثنویوں میں کوئی غزل، قصیدہ یا رباعی نہیں ہے۔ مختصر تحقیقی مثنویوں میں کسی دوسری صنف کو شاعروں نے شامل نہیں کیا ہے۔ لیکن مثنوی کے مرکزی خیال کی تشریح کردی گئی ہے۔ جیسے سراج اورنگ آبادی کی مثنویاں جو ان کے کلیات میں شامل ہیں:

۱۔ سوز و گداز ۸۲ر اشعار

۲۔ نالۂ ہجر ۴۶ر اشعار

۳۔ نامۂ شوق ۲۳ اشعار

۴۔ احوال فراق ۲۴ اشعار (وغیرہ)

ایسی مثنویوں میں ایک ہی مرکزی خیال ہوتا ہے۔ خیال در خیال یا قصّہ در قصّہ نہیں ہوتا۔ اس لیے بھی غزل، قصیدہ، رباعی کی گنجائش کم ہے مگر خال خال مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں ایک آدھ رباعی کو شامل کر دیا گیا ہے۔

مثنوی میں شامل غزل، رباعی، قصیدہ وغیرہ کی بحریں

اردو شاعری میں مختلف اصنافِ سخن کے لیے مخصوص بحروں کا رواج ملتا ہے۔ مثنوی کے اندر موجود دوسری صنفِ سخن کی بحر کا موضوع دلچسپی سے خالی نہیں۔

مثنوی کی سات بحریں مقرر ہیں مگر اردو کے کئی شاعروں نے دوسری بحروں میں بھی مثنویاں لکھی ہیں۔ خصوصاً ابتدائی دور کے شاعروں نے ہندی بحروں میں بھی مثنویاں لکھی ہیں۔

مثنوی میں شامل غزل، رباعی اور قصیدے کی بحر اکثر مثنوی کی بحر سے جدا ملتی ہے۔ مطالعہ عروض کرنے والوں کے لیے قدیم مثنوی کی یہ خصوصیت اچھا خاصا دلچسپ مواد فراہم کرتی ہے جہاں ایک سے زیادہ غزلیں یا قصیدے شاعر نے لکھے ہیں، تو کبھی ہر غزل قصیدے کے لیے الگ الگ بحر استعمال کی ہے اور کبھی ایک ہی بحر میں دو تین غزلیں قصیدے کہے ہیں۔

مثنوی قطب مشتری کے ہیرو محمد قطب شاہ نے خواب میں مشتری کی ایک جھلک دیکھی اس کے عشق میں بیقرار و بے چین ہوگیا۔ شہزادے کے مصاحب اور خادم بے چینی کا اندازہ لگالیتے ہیں کہ دال میں کچھ کالا ہے اور اس اندازے کے مطابق خادموں نے عشقیہ غزل چھیڑ دی۔ وجہی نے یہ غزل مثنوی کی بحر سے الگ بحر میں کہی ہے۔ اسی غزل کے تین شعر ملاحظہ ہوں :

چلو نا جائیں اے سہیلیاں ہمارا لال جاں اچھا
دے کوی جانتا نیں ہے کہ بھونڈ و وو کہاں اچھا

نشاں نیں بے نشاں ہے وہ نشاں اس کا نہ کہ منگوں
سکی اڑجائیں پنکھی ہو اگر اس کیں نشاں اچھا

دو تن کے بول رہے سب سارا ری اے باؤ نا چپ رہ
اگر تجھ فام ہے تو کہہ مرا وو پیو کاں اچھا

اسی طرح صفحہ ۳۲ پر ایک اور غزل ملتی ہے اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں

دیس دھن مکھ بیچ نیناں کہ موتی تھال میں ڈھلتے
لٹاں چھوٹے تن اپر یوں ہے پھونک جیوں نیر پر جھلتے

بدل رنگ سیام کھن کنٹھ نین ابلق پنٹ اچپل
کہ کالے ڈونگراں کے تل بچے ہرناں کے اوجھلتے

دیکھت دھن نین جھل کھا کہ مچھلیاں دعوی کیا آکر
تو سب جگ یوں پکڑیا کہ کڑائی بیچ لیا تلتے

رباعی چونکہ ایک ہی بحر یعنی بحر ہزج میں لکھی جاتی ہے مثنوی نگاروں نے بھی وہی بحر استعمال کی ہے البتہ اوزان الگ الگ ہیں۔ مثنوی 'علی نامہ' میں بھی رباعیاں ملتی ہیں قطب مشتری سے چند رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

کو شاہ یو اس باغ میں تے آدے گا
کو شاہ منجے نیہ سوں گلے لادے گا

کو شاہ ہمیں ملکے یہاں بیٹھیں گے
کو شاہ سوں مل جیو خوشی پادے گا

اس باغ منے آج جو آئی ہے پری
یکدل ستی جیو تجسوں لگائی ہے پری

بھو دھات اُس سات مجالس کوں سنگار
اے شاہ تجے بیگ بلائی ہے پری

مختلف اصناف کی بحریں تو الگ ہی ہیں' ایک اور بات توجہ طلب ہے۔ یہ قصیدہ، غزل اور رباعی شاعر نے کبھی اپنی طرف سے کہی ہے تو کبھی مثنوی کے مختلف کرداروں نے۔ گویا ان میں شاعر یا کرداروں کے اپنے اپنے احساسات اور جذبات کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ مطبوعہ مثنوی کے صفحہ ۱۴۱ پر قطب مشتری میں جو غزل ملتی ہے وہ محمد قلی قطب شاہ کی زبان سے ادا ہوی ہے اور فارسی میں اس کا عنوان بھی قائم کیا گیا ہے :

" غزل گفتن محمد قلی قطب شاہ "

اس غزل کا مطلع ملاحظہ ہو :

؎ مد عشق میں پیا سو جڑیا ہے اثر منجے
کر عقل فہم چھین گیا بے خبر منجے

یہ ساری غزل عشقیہ جذبات سے بھری ہوئی ہے۔

اسی طرح صفحہ ۳۰۷ پر "غزل گفتن مشتری از فراق محمد قلی قطب شاہ" کے عنوان سے دو غزلیں مشتری کی طرف سے ملتی ہیں۔ پہلی غزل بھی ۵ شعر کی ہے اور دوسری بھی ۵ شعر کی ہے۔ دونوں غزلوں میں اظہارِ عشق اور دردِ عشق کا بیان کیا گیا ہے۔ ہر غزل سے ایک ایک شعر پیش ہے:

کھانا برہ کھاتی ہوں میں، پانی انجھو پیتی ہوں میں
تج سوں بچھڑ جیتی ہوں میں، کیا سخت ہے دل اے پیا
(غزل نمبر-۱)

دیدے میرے نا دیدے جو دیدار دیکھے تھے
صبح صبر دیو نہار وہ دیدار کہاں
(غزل نمبر-۲)

مثنوی سحر البیان میں، بے نظیر اور بدر منیر کی چوری چھپے ملاقاتوں کی خبر جب پری کو ملی تو اس نے انتقام کی آگ میں بھڑک کر بے نظیر کو کنویں میں قید کر دیا۔ بدر منیر مسلسل کئی دن کے انتظار اور مایوسی کے بعد ایک عجیب اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اسے کھانے پینے یا کسی بات کا بھی ہوش نہیں ہے۔ جذبات کے ہاتھوں ایک کٹھ پتلی بن گئی ہے۔ خواصوں نے کچھ کھلا دیا تو کھا لیا ورنہ اٹھوں پہر اپنے محبوب کے تصور میں مگن بیٹھی ہے اور عالمِ تصور میں دونوں کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے جس کے دوران اگر ذکرِ شعر و سخن آ گیا تو بدر منیر میر حسن کی غزل گانے لگتی ہے۔ شاعر نے ہیروئن کی دردِ جدائی کے بیان کے لیے مثنوی میں پانچ شعر کی غزل کہی ہے۔ غزل کے اشعار اور اس سے پہلے کے دو شعر اور بعد کے چار شعر ملاحظہ ہوں۔

ہفتہ اسی سے سوال و جواب
سدا و سے رو اس کے غم کی کتاب
جو آ جائے کچھ ذکرِ شعر و سخن
تو پڑھنا یہ دو تین شعر حسن

غزل

یہ کیا عشق آفت اٹھانے لگا
مرے دل کو مجھ سے چھڑانے لگا
ملا میرے دلبر کو مجھ سے خدا
نہیں تو مرا جی ٹھکانے لگا

گھنہ چشم خون بار کا کچھ نہیں — مرا دل ہی تجھ کو ڈبانے لگا
فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا — کہ جس کے عوض یوں رلانے لگا
نہیں تجھ کو دشمن سے شکوہ حسن
مرا دوست تجھ کو ستانے لگا

غزل یا رُباعی ہو یا کوئی فرد — اسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس میں درد
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں — نہیں تو کچھ اس کی بھی خواہش نہیں
سبب کیا کہ دل سے تعلق ہے سب — نہ ہو دل تو پھر بات بھی ہے غضب
گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل — کہاں کی رُباعی کہاں کی غزل

میر تقی میر کے ہاں بھی اس روایت کا احترام ملتا ہے۔ ان کی ایک مختصر سی ۷۶ اشعار پر مشتمل مثنوی ہے۔

مثنوی کدخدائی بشن سنگھ

اس مثنوی میں انھوں نے دو غزلیں شامل کی ہیں۔ ایک غزل ۵ شعر کی ہے اور دوسری میں نو شعر ہیں۔ ان کی یہ مثنوی انتخاب مثنویات میں شامل کی گئی ہے۔

اختتامیہ

یہاں نمونے کے طور پر قدیم مثنویوں کی صرف چند خصوصیات پیش کی گئی ہیں اور بھی کئی نکات موجود ہیں جن پر قدیم مثنویوں کی تدریس کے دوران روشنی ڈالنا ضروری ہے کیونکہ یہ وہ نکات ہیں جن کا ذکر تاریخِ ادب اردو میں ملتا ہے نہ تنقیدی مطالعہ کی کتابوں میں

مزید مطالعہ اور تجزیہ کے دوران بہت سے نئے نئے نکات اور پہلو سامنے آئیں گے۔
جن کا اظہار تحریروں کی شکل میں کہیں نہیں ملتا۔ جیسے:
اس عہد کی عوامی زندگی کی تفصیل، سماجی اور سیاسی پہلو، فکری رجحانات، علمی ادبی معیار، مختلف علوم و فنون کی سرپرستی، عروج اور زوال کی داستانیں، سیاسی اور تاریخی شخصیتوں کے خاکے، مذہبی پیشواؤں اور رہنماؤں کی سیرت و شخصیت وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شاہ برہان الدین جانم بیجاپوری

حضرت شاہ برہان الدین نام اور جانم تخلص ہے۔ آپ حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق کے فرزند اور خلیفہ تھے آپ کی تاریخ وفات اور پیدائش کے بارے میں اختلاف رائے ہے، جانم کو نثر اور نظم دونوں پر قدرت حاصل تھی ارشاد نامہ جو آپ کی طویل ترین مثنوی ہے ۹۹۰ھ مطابق ۱۵۸۲ء میں لکھی گئی۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ آپ کی وفات ۱۰۰۷ھ میں ہوئی۔ بعض نے ۹۹۰ھ تاریخ وفات مانی ہے، بیجاپور میں روضۂ مبارک موجود ہے، والد محترم میراں جی کے مقبرہ میں دفن کیے گئے، آپ کی تصانیف میں کلمۃ الحقائق ایک ایسی کتاب ہے جس نے دلبستان بیجاپور کو دلبستان گولکنڈہ پر نثر نگاری میں فوقیت عطا کردی اور اولیت کا سہرا حاصل کرلیا کیونکہ وجہی کی سب رس سے تقریباً ۵۰ سال قبل یہ کتاب لکھی گئی ہے اردو نثر کا قدیم ترین مستند نمونہ ہونے کا شرف کلمۃ الحقائق کو حاصل ہے۔

آپ کی دوسری تصانیف میں ارشاد نامہ بہت مشہور و معروف ہے اس میں تقریباً ڈھائی ہزار اشعار موجود ہیں۔ یہ مثنوی سوال و جواب کی شکل میں تحریر ہوئی ہے، متصوفانہ نکات کے بارے میں مرید سوال کرتا ہے اور اس کے مرشد جواب دیتے ہیں۔ اتنی تفصیل اور وضاحت سے کہ سارے نکات بڑی آسانی سے سمجھ میں آجائیں۔ یہی انداز سوال و جواب کا ان کے نثری رسالہ کلمۃ الحقائق میں بھی ملتا ہے، ان کے والد میراں جی شمس العشاق کے ہاں بھی خوش نامہ خوش نغز میں یہی انداز اپنایا گیا تھا گویا کہ اردو ڈرامے کے نقوش اس ابتدائی دور سے نظر آتے ہیں غواصی کی مثنوی مینا ستونتی کا قصہ کرداروں کے درمیان مکالموں کی شکل میں آگے بڑھتا ہے، کئی اعتبار سے ان قدیم شعرا کا کلام قطب نما کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس نقطۂ نظر سے اس

قدیم سرمایہ کا مطالعہ نہیں کیا گیا چشم بینا کے لیے اس کے اندر جواہر پاروں کی کمی نہیں ہے،

جانمؔ کی زیادہ تر نظمیں اور مثنویاں ہندی بحریں لکھی گئی ہیں۔ ان کی زبان پر قدیم ہندی برج بھاشا اور کھڑی بولی کا اثر زیادہ ہے، متصوفانہ خیالات کے اظہار کے لیے عربی فارسی اصطلاحوں کے ساتھ ہندوستانی زبان کے الفاظ سے تخلیق پائے جملے سادگی اور دلکشی کا عجیب مرقعہ بن گئے ہیں اور خیالات کے اظہار میں روانی کی چاشنی موجود ہے اُردو زبان وادب کی تمہید کی حیثیت رکھتی ہیں، انداز بیان اور فکر و نظر کے معیار کی بنیاد انھیں صوفیا کے ہاتھوں رکھی گئی۔ شاید اسی کی برکت ہے کہ اُردو زبان کہیں کمزور پڑتی نظر آتی ہے تو دوسری طرف سے بل کھاتی نئے رنگ وروپ سے ابھر جاتی ہے اور اپنے وجود کو برابر منواتی، ترقی کرتی چلی جارہی ہے۔

جانمؔ کی اب تک دستیاب شدہ تصانیف میں وصیت الہادی، حجت البقا، منفعت الایمان، بشارت الذکر، سکھ سہیلا مشہور ہوئی ہیں۔ جانمؔ کی علمی ادبی خدمات کا اعتراف ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

> " جانمؔ کی دو خدمات قابل ذکر ہیں! ایک تو یہ کہ انھوں نے تصوف کے فلسفۂ وجود کو مرتب کر کے اسے ایک باقاعدہ شکل دی اور آب و آتش، خاک و باد کے تعلق سے وجود کا مطالعہ کر کے اس کے چار مدارج واجب الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود اور عارف الوجود مقرر کیے۔ دوسری یہ کہ تصوف واخلاق اور شریعت وطریقت کو اپنی تصانیفِ نظم ونثر کے ذریعے پیش کیا ان دوہری خدمات نے برہان الدین جانمؔ کی شخصیت کو اہم بنا دیا۔"

اس خاندان کی علمی ادبی خدمات کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہا۔

حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق پہلے شاعر ہیں پھر جانمؔ اور اُن کے بیٹے شاہ امین الدین اعلیٰ نے یہ سلسلہ جاری رکھا ان کے فرزند باباشاہ امین کے پوتے شاہ علی پیر پا شا حسینی کے بعد پاشا حسینی کے فرزند تراب علی شاہ نے اعلیٰ پایہ کی شاعری کی۔ شاہ تراب کا دیوان شائع ہو چکا ان کی مثنویاں بھی خوب مشہور ہوئیں۔ شاہ برہان الدین جانمؔ کی مثنوی ارشاد نامہ بھی شائع ہو چکی ہے۔ کلمۃ الحقائق اور ارشاد نامہ دونوں کو محمد اکبر الدین صدیقی نے مرتب کیا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں دستیاب نہیں ہوتیں۔

مثنوی ارشاد نامہ سے انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ ابتدائی اشعار میں بیٹے نے اپنے والد ماجد میراں جی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

انتخاب

مثنوی ارشاد نامہ

صفتِ شاہ میراں جی شمس العشاق

صفت کروں کچھ اپنا پیر — جس تھے روشن ہوئے ضمیر
دھوں جگ میں منجہ میت دہی — سُمروں لے من نیت وہی
تس کوں سمریں تن من شاد — جس کا آہے منجہ پرساد
جگ میں آہے توں ہیں رتن — مُردے میں لے کروں جتن
راکھیا ندن کر اس ٹھانوں — تِل تِل سُمروں لے اس نانوں
پیر میرانجی شمس عشاق — دھوں جگ رب تجہ کیا کشاف
آہے تیری یہ بُنیاد — چشتیاں کیرا ہے خالزاد
پیر وہی منجہ ہے مرشید — نِت بکھانے اُن توحید
تن لیں کھو لیں دل کے باٹ — روشن ہوئے حقیقت باٹ
شریعت میں تو وہ رہ راس — راہِ حقیقت اس کے پاس 15
اس گھر آچھے گیا دیوا — وہ کیوں لُھے باج سیوا
اس کے پاس کا گیان انجن — بھاگوں کوئی یک پاوے دھن
سیوک دھر لے کیتا دان — گیان سخاوت اس پرمان

---

۱ سے ۲ تاریک، دھندلے ۳ دنیا ۴ مجھے ۵ یادوں ۶ قرار، چین ۷ جسے (جس کی) ۸ کی ۹ یاد ۱۰ ہے ۱۱ فیض ۱۲ مانند ۱۳ دل ۱۴ حفاظت ۱۵ رکھا ۱۶ قید کرنا۔ بند کرلینا۔ (کندن بھی ممکن ہے) ۱۷ جگہ ۱۸ ہر لمحہ، پل پل ۱۹ نام ۲۰ دھندلا۔ تاریک ۲۱ تم پر ۲۲ ظاہر کیا۔ انکشاف کیا ۲۳ کا ۲۴ مجھے ۲۵ ہمیشہ ۲۶ تعریف کرے، حمد وثنا کرے ۲۷ وہ ۲۸ کر ۲۹ کھل جائیں ۳۰ کواڑ۔ پٹ (دل کے دروازے کے پٹ) ۳۱ راستہ، طریقہ ۳۲ راستہ ۳۳ سردار، رہنما ۳۴ ہے ۳۵ گیان، عرفان ۳۶ چراغ، روشنی ۳۷ لے ۳۸ بوجھ ۳۹ خدمت ۴۰ سرمہ ۴۱ قسمت (سے) ۴۲ کوئی، ایک ۴۳ پائے ۴۴ یہ دولت گیان یا علم عرفان ۴۵ خدمت گار ۴۶ حاصل کرلے ۴۷ کتنا (جتنا چاہے)

اور بے مانگے اس کے وار — اس تیں کھولیں گیان بھنڈار
جیسے سمندر کیری کھان — کیا کچھ آہے موتیوں دان
کچھ تھے میرے اونچے بھاگ — سیوک ہو کر رہیا لاگ
اتنا مانگوں میری آس — جی جم رہنے تیرے پاس
سگِ اصحاب جوں کے بھاگ — تیوں منجہ اس چرنوں لاگ
درشٹ کیجے منجہ کرپا — آدھیر راکھیں آپ ستا
منجہ میں ناہیں ایسا کار — جے کچھ خالق کے دربار 20
جے کچھ میں تجھی ہوں قبول — غفلت ساری جاوے بھول

اب میں آکھوں کچھ بیان — روشن جے ہوے آے عیان
آپس میں لیہ دیکھ بچار — انجھوں کیرا گھڑیا سار
تب یہ موزوں کیا بحق — لوڑے دیکھیا جے مطلق
یو بول میرے اُن کوں شاد — جن کوں شکر ہے پرساد
یہ سب بولوں ہندی بول — پڑ توں انجھو سیتی گھول
عیب نہ راکھیں ہندی بول — معنی توں چک دیکھیں کھول
جوں کے موتی سمندر سات — ڈبڑے ہیں جے لاگے ہاتھ
کیوں نا لیوے اس بھی کوئے — سیانا چتور جے کوئی ہوئے

---

۱ جو ۲ در ۳ کو پر ۴ کے ۵ کان ۶ وہاں ۷ رہا ۸ لگا ہوا، صحبت میں ۹ مانند۔ ۱۰ کی مانند، طرح ۱۱ مجھے ۱۲ قدموں ۱۳ لگاو، ہوا (قدموں تلے) ۱۴ جلوہ (دکھایئے) دیدار ہوں ۱۵ مہربانی ۱۶ میری طرف ادھر ۱۷ طاقت (توجہ) ۱۸ آنسوں ۱۹، ۲۰ تبرک فیض، پرساد ۲۱ پڑھ۔ ۲۲ تو ۲۳ آنسو ۲۴ سے ۲۵ ذائقہ چکھنا۔ ۲۶ دیکھ ۲۷ جیسے ۲۸ ڈوبے۔ غوطہ لگاتے۔ ۲۹ جو ۳۰ لگے ۳۱ ہاتھ ۳۲ کوئی ۳۳ سیانا۔ عقل مند ۳۴ ہوشیار ۳۵ کوئی۔

گھڑیا تو ہی مشقت سوں   30   جتن راکھیں شفقت سوں
سامٹ سوں لے کیا بندھان   سو ہے سامت صدق ایمان
جیوں کے من کے جاگے سوں   محبت کیرے دھاگے سوں
موتیوں کیرا تھا انبار   پوڑو کیتا ہاڑیں ہار
گوہر جے کوئی ہوئے شناس   سو ہے چن چن لیوے خاص
نام کتاب اس کھیا ہوئے   خاطر لیا اس راکھیا ہوئے
ارشاد نامہ اس کا نام   لورے فکر اسے مدام
ہندی بولوں کیا بکھان   جے گرو پرشاد تھا منجہ گیان
جے کوئی پڑکر کریں سواد   راہِ حقیقت پر ہویں شاد
رن گرو تونا ہوے نبار   بن غفلت اکیرے کھولیں کواڑ
اس میں کیتا گرسک لاب   40   لیا یارچ رچ سوال جواب
شریعت طریقت حقیقت سوں   جمع لیا یا معرفت سوں
جے کچھ اس میں کیتا سوال   جواب انپڑیا ہے درحال
جیسا مشکل ہووے حل   جے کوئی سوڈھے ہویک دل
اوّل کیوں تھا ذات صفات   بعد از کیتا مخلوقات
ابتدا انتہا باقی کیوں   باقی فانی ماٹی کیوں

۱؎ لکھا (نظم لکھی) ۲؎ موتی ۳؎ سے ۴؎ بندھا۔ نظم کیا ۵؎ بیداری یعنی (تن من کی طلب سے) ۶؎ کے ۷؎ کا ۸؎ گوندھ ۹؎ کیا ۱۰؎ لڑی بنا دی ہار بنا دیا یعنی مثنوی کے روپ میں نظم کر دیا۔ ۱۱؎ لے ۱۲؎ خصوصیات، صفات ۱۳؎ کیا ۱۴؎ چاہیئے ۱۵؎ زبان ۱۶؎ بیان ۱۷؎ جو ۱۸؎ گرو یعنی مرشد ۱۹؎ فیض ۲۰؎ فائدہ، لطف ۲۱؎ انجام کو نہ پہنچے ۲۲؎ سینے کے پہلو مرشد کے بغیر کوئی بھی اپنے آپ کو مکمل نہیں کر سکتا سوائے غفلت کے پہلوؤں سے دامن گیر ہونے کے ۲۳؎ کرتا ہے ۲۴؎ مرشد ۲۵؎ خوشی ۲۶؎ فائدہ ۲۷؎ رچایا۔ آراستہ کیا (سوال و جواب کے انداز میں) ۲۸؎ سے ۲۹؎ سے ۳۰؎ کرتا ۳۱؎ حاصل ہوا ۳۲؎ سو جھے تلاش کرے ۳۳؎ تخلیق کیا ۳۴؎ مٹی یعنی فنا ہو جانا۔ مٹی ہو جانا۔

قدیم جدید کا کہو نشان — سب سوں سُن سب کرو بیان
تفرید آکھیں، اور تجرید — کرو خلاصہ جے توحید
اصل قدرت کیا اس ٹھار — جس تھے یہ سب کیتا بار
یہ سب میرا تو رکھ مان — خاطر کر لیوں رکھ نشان

توں[1] اول پہلا اتنا جاں — 50 کوئی سب پر کرنا قادر[2] مان
پہلیں[3] اس پر لیاؤ ایمان — اللہ کرے سو ہوے جان
قدیم القدیم آچھے[4] وہ — بعد از رچنا[5] رچیے[6] وہ
قدیم جدید ہے اس تھے[7] سب — ایسا قدرت کیرا[8] رب
جد[9] کچھ نہ تھا تھا وہی — شریک نا اس دوجا[10] کرئی
ایسا حال جے ہے کوئے[11] — جس پر کرم خدا کا ہوئے
یہ سب گجری کیا بیاں — دیکھ[12] خلاصہ ہوئے عیاں
اس کا توں بھی نے توں جواب — انتریا[13] لوڑے[14] در ہر باب
ایسی نظر کس ادراک — جے کوئی اس کا ہوئے ساک[15]
اس کی ذات قدیمی پر — چلے اس کی کون نظر
جے اس قدیمی بوجھیا[16] ہوئے — 60 تو شریک دوجا[17] اوبھجا ہوئے
اس کا ادراک سبھی ٹھار[18] — کچھ[19] نالو بیا نظر نلہار
پرگٹ[20] گپت[21] کیرا[22] اشاد — کچھ نا چھپیا اس کی یاد

---

[1] تو [2] قدرت والا [3] پہلے [4] ہے [5] مخلوق یا دنیا [6] تخلیق کرے [7] سے
[8] کا [9] جب [10] دوسرا [11] دیکھ [12] حاصل کرنا [13] چاہیے۔ طلب کرے
[14] ساکھ [15] سمجھا [16] دوسرا [17] غیر موجود [18] جگہ [19] کچھ [20] ظاہر ہونا۔
[21] پوشیدہ [22] کا۔ [23] کہے [24] اس طرح۔

فکر کیجے کچھ صفات　　ناکی فکر انپڑے[1] ذات
ولیکن جس کوں اَہیں خواہ　　کہیا یُہدِی مَن یَشاءُ
امید دکھلایا اور مُرُوَت　　بوجھنے کیری ہے نسبت
کہ یہ بندا فعل مختار　　سرجن[2] ہارا سرجن ہار
تو یوں آہے قول علیؓ　　کہیا اپنے مکہ ولی

سوال طالب

پوچھے تو اس قدرۃ میں　　کیا فرق اس حضرت میں
دونوں مل کر کہنا ایک　　یا کچھ تفاوت اس میں دیک
جواب آکھے اس کا یوں　　70　　تعلق قدرت فعلوں سوں
کہ فعلوں پر وہ دیکھن ہار　　ہے منزّہ با اخبار
میں پن اس کا زور قوی　　اس پردا نا آپ وہی
او آپ خودی تھے زاید ہے　　میں پن پر بھی شاہد ہے
ایسا مخفی ہے اوہ گنج　　ناکیں باتیں[3] اس ہے رنج
جس کوں دوست کرمانیا ہوئے　　اس کوں گنج جنایا[4] ہوئے
پوچھیا کیوں ہوے گنج شناس　　لوڑے کہیا منجہ رہِ راس[5]

جواب مرشد

کہنوں بندا فعل مختار　　بارے دینا کچھ اختیار
قدرۃ حال جنّایا[6] اس　　کون سکے کر اس کی رِیس[7]
اس تھے لوڑے کیا شناس　　جس تھے دل کا آئینہ صاف
تو تجھ سَرجیا[8] دیکھ ربّی　　80　　سب جگہ پیدا نور نبیؐ
کہ تھا مخفی گنج قدیم　　نا اس بن دوجا اور مقیم

---

[1] حاصل کر لیجئے [2] خالق ۔ پیدا کرنے والا ۔ [3] بابت [4] مان لے ۔ تسلیم کرے ۔ [5] راہِ راست [6] سمجھ لے ۔ جان لے [7] مقابلہ [8] پیدا کیا ۔

نا قدیم کہنا اُس جدید — نا اس تجرید نا تفرید
نا قدیم کہنا اس معبود — کہنے لگے المقصود
نا وہ پنہاں نا اظہار — نا کچھ زگن[1] روپ اکار[2]
نہ تھا جلال اور جمال — نا کچھ ذوقی شوق کمال
نہ تھا یاد اُس فراموش — نا اُس خبر نا بے ہوش
نا اُس رنج ہے نا اُس گنج — نا وہ روشن نا وہ منج[3]
ایسا دِستا[4] دیکھ اگم[5] — نا کچھ زیادت نا کچھ کم
آپس میں وہ آپیں تھا — نا کوئی شریک ساتیں[6] تھا
کہ اپس آپ ارادت کر — اپس دیکھیا ایک نظر 90
اب تجہ آکھوں[7] یک تمثیل — جے تجہ روشن ہوئے دلیل
جوں ایک بیڑیا[8] ہوے بیج — اس میں فہوں دیکھیں ریج
جوں زمین میں کیا غبار — یوں ارادت اُس کا بار[9]
بعد از کرم جنایا[10] ہوے — اُن اپس آپ دیکھایا ہوئے
جے وہ تھا جو آد غبار — پنہاں قدرۃ تھا اس ٹھار
جب یہ آیا باہر انگور — قدرت پنہاں ہوا ظہور
بنے پرگٹ[11] اسم اللہ — در خود آگہہ ھو اللہ
ایسا ذات کا اَکا دیکہ — سو ہے اصل قدرت لیکہ[12]
یہ جدید قدرت دیکہ عظیم — غبار اول ذات قدیم
اس تھے عارف آنکھیں یوں — قدیم جدید اس کہنا کیوں 100
ولے خودی ارادۃ کیرا بینج[13] — عشق ہے ساریوں کیرا بینج

---

[1] گن یا صفات کے بغیر [2] (روپ کے) بغیر [3] دھندلا [4] نظر آتا۔ [5] نظر نہ آنے والا دکھانے کے قابل نہ ہو [6] ساتھی [7] کہوں بیان کروں [8] بویا [9] باہر نکلنا۔ اگنا [10] تسلیم کروائے منوائے [11] ظاہر [12] لیکن [13] بیج دانہ۔

بن مول کیسی پسرے[1] بیل　　ایسا عشق کا مانڈیا کھیل
جوں کے درخود ہو آگہ　　اظہار ہوا بسم اللہ
ہیں پنے کی قدرت پر　　اپنے آپیں کیا نظر
ان دو کے بیچ میں عشق بھیا[2]　　بعد از یہ سب کھیل کیا
جوں کہ لکڑی بھیتر آگ　　بھڑکا نکلیا جوہی جاگ
بعد از عشق تے کرنے سار[3]　　کیتا[5] نور نبیؐ کا با
ایسا قدرت کا شرف　　اُس اُئیں اس میں نہیں فرق
بلکہ نہیں مایا روپ　　یا کہ مایا وہی سروپ
ناوہ قدرۃ تے جُدا　　110　ایسا آنکھوں دیکھ خُدا
جوں کے کارفو میں سُگند[6]　　یا جوں شیریں شکر سمند
نا اس کہتے یکہ کھرے　　نا یہ دوجا بن سرے
یا جوں تابش ہے جوہر　　نہیں خلاصہ ہے مُخشتر
اس کا پاک منزہ ذات　　اس سوں صفتاں قایم سات
علم ارادت قدرۃ بار　　جے صفت سوں ہوئیں چار
سمیع بصیر اور کلام　　ایسیاں صفتاں سات تمام
دوئی نے پن آکھوں ٹیک　　محمدؐ نور اسی کا دیک
دیکھیں لوڑے[7] آپیں آپ　　اپس آپیں ہوویں ساک
تو آپ ستنتر آپ بسے　　آپ بسے نا اور کسے
جے تن بھر میت دو بیچ جان　　120　جاگروت[8] ندرا[9] کے درمیان
پہلیں اپجیا مول بستار　　جس تے کیتا سب سنسار
مول سو مایا کریں پچھان　　سمج لئیں توں ہردے[10] گیان
جیسا آپ ستنتر[11] تھا　　تب ناکچھ جگتر تھا
ذات مطلق انس تے پاک　　نہ چوں چگو نہ کہنے ساک
سہجیں سہج اے بیریا[12] بیج　　میں پن کیرا[13] اگریا[14] بیج

---

[1] پھیلے۔ پھلے پھولے [2] پڑا (درمیان میں آیا) [3] تکمیل کو پہنچانے [4] کرتا [5] باہر کیا۔ ظاہر کیا [6] خوشبو [7] چاہے ارادہ کرے [8] جاگنا بیدار ہونا۔ [9] نیند [10] دل [11] آزاد [12] بویا [13] کا [14] اگ آیا۔

علم ارادت قدرة سوں — آپ جگایا آپس کوں
سب جمع کر دیکھیا بار — بھن بھن کر بھی دیکھ بچار
ان درپن کیتا سن آکار — آپس دیکھیا اپنے ٹھار
ہوا صفا وہ دیکھیں آد — محمدؐ نور جہاں ہے شاد
شاہد اللہ آپیں ٹیک — 130 ثانی شاہد محمدؐ دیک
یو پر تو ذات — ذات سوں قایم دیکھ صفات
نہ اینہ صفا ارادت تھا — کُن فَیکُوں بشارت تھا
کات نوں کوں ناہیں ٹھار — اس میں کیتا نور اظہار
کُن فَیکُوں محذور ہے — بولنے کوں تو تقصیر ہے
کہ من منہ سنگھار من ات پت — ایسے لاگے اس نسبت
محمدؐ نور تھے عرش فلک — کیتا[1] انس و جن ملک
جیتا اشیا کل صفات — پیدا کیتا مخلوقات
جوں ٹیک دیوے[2] تھے[3] لاکھوں ٹھار — گھر گھر روشن چند[4] ہزار
یوں ہی محمدؐ نور تھے سب — خالق آپیں کیتا رب
عشق اللہ کا محمدؐ نور — 140 نورِ نبی تھے کل ظہور
کیے نور خدا کا میں بھی نور — میرے نور تھے کل ظہور
یوں کہئے مکہ سوں نبی رسول — کیتا دل جاں نیک قبول
بعد ازاں صفا تھے نُور — کس بھانت لیایا دیکھ ظہور
یوں بھی آکھوں گن پرکار — کچ ٹیک راکھو حکمت کار
اوّل پیدا کیا صفا — باز دکیتا ہے ہوا
ہوا تھے ہے باوُ[5] سروپ — باریں بیٹھا اگن روپ
اگن تھے یوں کیتا جل — جل تھے کیتا دیکھو تھل
یوں عناصر کیتے بار — 148 قادر آپیں حکمت کار

۱؎ کرتا ۲؎ چراغ ۳؎ سے ۴؎ چاند ۵؎ ہوا۔

عبدل بیجاپوری

ابراہیم نامہ کے مصنف عبدل کے حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہیں بلکہ اس کا پورا نام بھی ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا۔ دکنی مثنویات کے مصنفین عام طور پر انھیں تصانیف میں اپنی زندگی کے بارے میں مختصر اشارے کر دیا کرتے تھے۔ لیکن عبدل نے اس عام روایت کی پیروی نہیں کی۔ اس کی مثنوی سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ والیِ بیجاپور ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۸۰ - ۱۶۲۶ء) کا درباری شاعر تھا۔ نیز یہ مثنوی ۱۰۱۲ھ (مطابق ۱۶۰۹-۱۰ء) میں تصنیف کی گئی تھی۔ یہ وہی زمانہ ہے کہ جب گولکنڈہ میں ملا وجہی کی مشہور و معروف مثنوی "قطب مشتری" (۱۶۰۹ء) لکھی گئی تھی۔

ابراہیم نامہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عبدل کا تعلق شمالی ہندوستان سے تھا۔ نیز بیجاپور میں اس کی حیثیت ایک نو وارد کی تھی وہ اپنی زبان کو ہندوی اور اپنے آپ کو دہلوی کہتا تھا۔

زبان ہندوی مجھ سو ہور دہلوی
نہ جانوں عرب ہور عجم مثنوی

یعنی میں دہلوی ہوں۔ میری زبان ہندوی ہے۔ میں عربی سے اور عجم کی مثنویات سے شناسا نہیں ہوں۔ مصرع ثانی کے "نہ جانون" سے یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ میں عرب و عجم کی مثنوی یا کلام کو خاطر میں نہیں لاتا۔

ابراہیم نامہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ابراہیم عادل شاہ ثانی کی شان میں کہا جانے والا ایک قصیدہ ہے جو مثنوی کے طرز میں لکھا گیا ہے۔ اس مثنوی میں شاہ کے جمال و شکوہ کے ساتھ اس کی علمیت، ذہانت، ذکاوت اور تدبر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ابراہیم عادل شاہ کی معروف تصنیف "نورس" کے علاوہ ایک دوسری تصنیف

"بدھ پرکاش" کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دارالحکومت بیجاپور، شاہی قلعہ، لشکر، شکار کے شوق اور بزم آرائیوں کا بھی تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

عبدل کی یہ مثنوی ۲۶ فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی پانچ فصلیں حمد، نعت، رسول اللہ کے یاران کی مدح، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی ستائش اور شاہ ابراہیم کی ستائش پر مشتمل ہیں۔ چھٹی اور ساتویں فصلیں شعر اور قلم و کاغذ کی تعریف میں ہیں۔ آٹھویں فصل میں کتاب لکھنے کی وجہ اور نویں فصل میں شاہ کے اوصافِ حمیدہ قلمبند کیے گئے ہیں۔

دسویں، گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں فصلیں بالترتیب شہر بیجاپور، حصار، محلات بازار اور دربار کی تعریف پر مشتمل ہیں۔ چودھویں فصل میں شاہ کی مجلس، پندرہویں میں شبِ مجلس، سولہویں میں روز روشن، سترہویں میں شکار، اٹھارہویں میں ہاتھیوں، انیسویں میں شاہی گھوڑوں، بیسویں میں درختوں، اکیسویں میں ہنگامِ بہار، بائیسویں میں خلعت و انعام و اکرام کی تقسیم، تیئیسویں میں شاہ اور رانیوں کے پڑاؤ، چوبیسویں میں شاہ کے جشن سالگرہ اور پچیسویں فصل میں پری پیکر حسیناؤں کا بیان کیا گیا ہے۔ آخری یعنی چھبیسویں فصل میں مثنوی کے ختم ہونے کا اعلان اور اس کے سنِ تصنیف کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثنوی کے جملہ شعروں کی تعداد ۱۳۰۷ ہے اور اسے ڈاکٹر مسعود حسین صاحب نے ۱۹۶۹ء میں مرتب کر کے شائع کیا تھا۔

انتخاب

مثنوی ابراہیم نامہ

نعت

گسائیں ایک[1] تھا نہ ہور[2] کچھ موجود[3]
نپایا[4] محمد سوں لک[5] جگ وجود
جو تھا گنج مخفی سو پرگٹ[6] دکھائے
عشق آرسی میم مصقل[7] پھرائے
احد دور کر میم احمد کیا
حرف چار[8] مل بھید چارو[9] دیا
شریعت، طریقت، حقیقت، بیان
کیا معرفت عین اس پر عیان
پھرے فلک نوبت[10] ہو اس بار[11] پر
کمر باندہ[12] کہکش سو اس تھار[13] پر — 10
کھڑا دیس[14]، بوڑھا ہو پرذار[15] بار[16]

---

[1] ایک [2] اور [3] مجود، بروزن فعول تلفظ کیجیے۔ اس لفظ کا عوامی تلفظ "میجود" یا "مہجود" اب تک رائج ہے۔ [4] نپانا: پیدا کرنا [5] لاکھ [6] ظاہر [7] دونوں نسخوں میں املا: مسقل [8] احمد کے چار حرف [9] چاروں (غنا نفی تلفظ) [10] نوبت: باری سے پہرہ دینا [11] دروازہ۔ چوکھٹ [12] کمربستہ۔ حاضر خدمت [13] جگہ۔ مقام [14] دن [15] پہرہ دار [16] دروازہ، باہر

پکڑ رات کی سیاہ لکڑی کنار
ہوا صدق کا دیس جگ دل اُپر
رہیا سورج ایمان کا روپ دھر
کیا جگت ظاہر سو اس ذات لگ
سنایا نداکر سو. لولاک جگ
ہوا آپیں عاشق و معشوق کر
دیکھا روپ اپنا سو آپیں نظر
عِشق بھید بوجھا اِہی ہے تمام
ہوا خاتم الانبیاء نوسی[1] نام 20
نہ تجھ صفت دفتر ورق کو بھرائے
کوتے[2] ساتو دریئے[3] جو انگلیا[4] کو لائے
اگر جیبھ ہر بال ہویں ہزار
نہ "عبدل"، صفت کر سکے اک بچار
آپس آل و اصحاب گے[5] ساتھ لے
اہل پنج تن دوڑ مجھ ہاتھ دے

در مدح یاران رسول اللہ صلعم

بنی پریت کے سبتھے، سنو چار یار
ٹبک[6] دُرتن چار، چارو[7] کِنار

---

[1] (برج. تاس) اس کا۔
[2] کوتاہ. حقیر [3] سانوں دریا۔ پرانوں کے مطابق سات دریا (سمندر) ہیں جن کے نام کشار، جل، نشمیر، ودھی، دھرت، سرا اور مدھو ہیں۔ [4] پھلانگ کر لائے [5] کو۔
[6] بلکہ [7] چاروں

پدُک[1] دین مجلس جڑے وُ رتن
کندن صدق سوں لگ رہے وُ جتن
ہوئے مدہ سو نایک[2] بنی درمیان
[3] سَرِیا ہر دو عالم میں جس جوت آن[4]
اول رتن ملیا ابوبکرؓ جان
کہ جس صدق کا کچھ نہ آوے بیان
دوجا[5] رتن سانچا بھی عمرؓ خطاب
کہ جس عدل سوں دین سپڑیا[6] شتاب
تجا[7] رتن جانوں بھی عثمانؓ عفان
حیا کا کیا حدّ ، سنجیا[8] قرآن
چوتھا رتن جانوں سو مل کر علیؓ
شجاعت ، سخاوت ، ولایت ، ولی
محمدؐ سو جڑ ہے ، علی پیٹر جان
ہووے خانوادے چودہ شاخ آن
خلافت جگت کی سو وُ پان[10] سب
لگے پھول بیعت ، صدق پھل سو تب
جکو[11] پیر اپنے سوں منکر جو ہوئے
کہو مل سو تحقیق بمشرک ہو سوئے

30

40

3

---

[1] قیمتی دھات کا ٹکڑا جس پر جڑاؤ کا کام ہوتا ہے۔ گلے کا ایک زیور [2] مدھیہ ، دس ، نایک ۔ سردار [3] سرنا ۔ ختم ہونا [4] آکر [5] دوسرا [6] سپڑنا ۔ گرفتار ہونا ۔ مشتمل ہوتا ۔
[7] تیسرا [8] سنجونا ۔ جمع کرنا ۔ مرتب کرنا ۔ [9] جوکوئی ۔ [10] پانے ۔ [11] جوکوئی ۔

در تعریف حضرت استاد عالم پناہ ابراہیم عادل شاہ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ

عقل ہاتھ سوں چت دھریا فکر کان[1]
سُمر[2] شاہ استاد کا بچن گیان

نہ مجھ شاہ استاد سا ہور کوئی[3]
دیوؤ جس میں[4]، نہیں جُوڑ[5] کو

وہی جہاں ہے سانچا تو سبحان ہے
وہی جگت گُرو[6] شاہ سلطان ہے

اتھا روپ مخفی جو سبحان کا
ہو پرکٹ[7] جگت سکل سلطان کا

لقب شاہ عادل براہیم ملائے
کیا حرف نو روپ[8] مل کر خدائے

رجتا کچھ سِریا[9] جگت نو بھید رس
سو سب خدا تے کیے شاہ بس

سو اس تھیر ہوا روپ نورس[10] اوتار
نوا[11] روپ پرگٹ ہو نو بدھ بچار

چتر شاہ نورس برتہا[12] رنگ بھر
دیکھا چاشنی[13]، لاز میں گگن پر

۱؎ "دل نے عقل کے ہاتھ سے فکر کے کان پکڑے" ۲؎ سمرنا، یاد کرنا۔ ۳؎ کوئی۔ ۴؎ تشبیہ۔ ۵؎ جوڑ، مثل۔ ۶؎ جگت گرو: ابراہیم عادل شاہ ثانی کا لقب۔ ۷؎ ظاہر۔ ۸؎ حرف نو روپ: "شاہ ابراہیم" کے نو حرف ہوتے ہیں۔ ۹؎ مکمل ہونا، پیدا ہونا، پھوٹنا۔ ۱۰؎ ابراہیم کو لفظ "نورس" سے بے حد دلچسپی تھی۔ نہ صرف اس کی تصنیف کا نام "کتاب نورس" ہے بلکہ خود اس نے اور اس کے عہد کے مصنفین اور مؤرخین نے یہ ترکیب بے شمار چیزوں کے لیے استعمال کی ہے نورس پور، نورس محل، نورس نامہ (تاریخ فرشتہ کا نام) وغیرہ۔ عبدل اسی لیے ابراہیم کو "شاہ نورس" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ۱۱؎ نیا۔ ۱۲؎ جدائی۔ ۱۳؎ امتحان۔ نمونہ۔

گگن نو اوپر نوگرہ[1] لائے کر
زمین کنڈ نو[2] پر رتن نو سو جڑ
10 دھریا سیس[3] روز[4] میں نوردز، جان
پکڑ رات میں روپ نورات[5] آن
دھریا بھید سنگت[6] میں نو ستر[7] پکڑ
لگا روپ سائت[8] میں نورس جو دھر
اول تھے خدا یوں کیا آشکار
ہوا جگت گرو، شاہ نورس نگار
سو اس شاہ گن پھول کیوں آن کر
زبان مالنی[9] گند[10] بچن تار لڑ[11]
سو بدھ[12] ٹوکری میں نہ جا دیں بھرے
فکر[13] ہاتھ دھرتیں[14] و پھول جھڑ پڑے
اگرچہ طرا[15] شاہ لائق نہ ہوئے
بہر حال مجلس میں راکھو پروے
نہ ایسا سنا کو سو دیکھا عیاں
بدیا[16]، گچمیں[17] جوڑ دیوے دو دان[18]
تمھن پاس رہ شاہ دونہو[19] تو آئے
نظر دیکھ جس بھر سو ردہ سدھ[20] پائے

---

[1] نو سیارے [2] نوکھنڈ: زمین کے نو حصے [3] سر [4] بڑا دن - روزوں کا غیر انفی تلفظ: دنوں۔ [5] نوراتری۔ آسون مہینے کی پہلی نو تاریخیں جب درگا کی پوجا کی جاتی ہے۔ [6] سنگیت۔ [7] عام طور پر سات سُر مانے جاتے [8] ساعت؛ نیک گھڑی۔ [9] زبان کی مالن۔ [10] گوندھنا: موتیوں یا پھولوں کی لڑیاں بنانا [11] یہاں املا "ڑ" سے کیا گیا ہے با وجود اس کے کہ قافیہ "ر" کے ساتھ کیا گیا ہے۔ [12] بدھی: عقل۔ [13] فکر کا غلط العوام تلفظ مرہٹی میں "فکیر" ہے۔ [14] دھرتے (انفی تلفظ)۔ [15] طرہ: پھولوں کی لڑیوں کا بنا ہوا گچھا [16] ودیا: علم [17] لکشمی: دولت، خوش قسمتی (دان کی دیوی) [18] عطیہ، بخشش۔ [19] دونوں۔ [20] ردھ سدھ: خوشحالی اور کامرانی۔

ایسا شہ گرد دیکھ آجگ شرن[1]

سنگھاسن[2] بچھا بیٹھ دکھن دھرن[3]

گُنی[4] لوگ، لقمان بُدھ[5] بے شمار

سُرج شاہ استاد کا ایک بچار[6]

20 جتے علم عالم اپس بُدھ[7] علام[8]

نہ بُدھ[9] شاہ استاد کا رج[10] ہو فام[11]

نظر شاہ استاد جس پر جو ہوئے

ہر ایک روپ بُدیا میں اس سر[12] نہ کوئے

سو شہ جگت گُرو ہے پرس[13] جیوں نشان

لے لوہ[14] شاگرد چو[15] طرف جان

دیکھن پرس مل کنچن[16] مول[17] ہوئے

نظر شاہ پڑتیں کندن تول[18] ہوئے

اُنہی شاہ استاد کر سو[19] نظر

بلایا جو "عادل" کوں سر ہاتھ دھر[20]

نوی[21] بات مضمون کر ایک کتاب

نہ کو[22] فکر کندیا ہے تس کا جواب

نہ باقی رہے کچھ تو عالم نشان

اگر کچھ رہے تو بچن شعر، جان

شعر شاہو[23] کا تو[24] سو[25] ہے یادگار

رکھے ناؤں عالم میں جیوتا[26] قرار

---

۱ شرن: جاتے پناہ۔ ۲ سنگھاسن: تخت۔ ۳ زمین، سرزمین۔ ۴ اہل فن۔ ۵ لقمان کی سی عقل رکھنے والے۔ ۶ خیال، ارادہ ۷ اہل عقل۔ ۸ بڑے عالم۔ ۹ بدھی: عقل ۱۰ خاک، دھول، پھولوں کا زیرہ۔ یہاں پر "ذرہ" مراد ہے۔ ۱۱ فہم = فہام۔ ۱۲ جیسا، ہم سر۔ ۱۳ پارس۔ ۱۴ لوہا۔ ۱۵ چاروں۔ ۱۶ سونا۔ ۱۷ مول: قیمت۔ ۱۸ کے برابر۔ ۱۹ چارسو۔ ۲۰ شفقت کا ہاتھ سر پر رکھ کر ۲۱ نئی۔ ۲۲ کوئی۔ ۲۳ شاہوں۔ ۲۴ تب۔ ۲۵ سے ۲۶ جیتا، زندہ، باقی۔

کر جو تلکوں[1] دنیاں رہے کر منڈان[2]
بھرے شعر تلکوں[3] ہو عالم نشان

سو یو بچن[4] حسن شاہ استاد کاں[5]
پوچھیا جگت گرو شعر کہہ کس زباں

30 زبان ہندوی مجھ سو ہوں دہلوی
نہ جانوں عرب[6] ہور عجم[7] مثنوی

---

[1] جب تک۔ [2] کائنات۔ [3] تب تک۔ [4] لفظ، کلام۔ [5] کا (انفی تلفظ)۔ [6] عربی زبان۔
[7] فارسی زبان۔

در تعریف شب، حسن مجلس شاہ عالم پناہ

(دیدہ عاشق شدہ، خود را بالائے بام فلک انداختہ)

سو یوں جھانک شہ روپ ٹک رات آئے
گگن[1] کے پچھے تھیں[2] پڑی گھیری[3] کھائے
پڑے پھول سر[4] تھیں بکھر ٹھار ٹھار[5]
اُجل[6] روپ ہو کر سو دِستے[7] ستار[8]
چُوئے[9] بوند لوہو جو آنکھیوں تھیں ڈھل[10]
وہی جوت[11] دیوے[12] ہو گھر گھر سو جل[13]
عشق شاہ بل[14] رات ہو سیاہ رنگ
دِسے[15] روپ پرگٹ[16] سو مُکھ[17] چاند ڈھنگ[18]
کر یا سُور[19] شہ کیاں[20] ہو کرناں[21] نشان
جلے روپ دیوٹیاں[22] ہو دِستیاں[23] عیاں
دِسے رات دِیوٹیاں سُوں مل زیب یوں
چھٹے[24] لعل بکھرا مُشک راس[25] جیوں

---

[1] آسمان [2] سے [3] چکرا کر۔ [4] سر [5] جگہ جگہ [6] روشن [7] نظر آئے [8] ستارے [9] ٹپکنا [10] ڈھلک کر [11] روشنی [12] دیتے ہیں [13] تلفظ "شجل" بہ معنی نورِ خوش آئند [14] وجہ سے [15] نظر آئے [16] ظاہر [17] چہرہ [18] ڈھنگ۔ اردو کی قدیم شاعری میں "گ اور ک" کے قوافی باندھنے کا عام دستور تھا۔ [19] سورج [20] "کی" کی جمع [21] کرنیں [22] دیوے چراغ کی بتیاں [23] نظر آتی ہیں [24] پھینکنا [25] خوشبو کا انبار، ڈھیر

سُہاوَن[1] دِسے[2] سانجھ[3] دِیوٹیاں[4] سو آئے
زمیں روپ پھر کر گگن[5] جیوں دکھائے
دُھو[6] رنگ ہو سب زمیں گگن سار[7]
بکھر رات دیوٹیاں لگے جیوں ستار
دھرے[8] شمع مجلس سو ہر ٹھار ٹھار[9]
محل چاند آگن[10] ستاریوں[11] کے جھاڑ[12]
کر یا ناگ[13] سب سیس[14] مَن[15] لے سو آؤ
سٹے[16] رات کے آنگ پر وُ[17] جڑاؤ   10
اسی جُگّت درمیان شہ یوں سُہائے
کر جیوں لعل بھوتو[18] میں ہیرا دکھائے
اسی جنس تو رات مجلس میں آئے
رہے بھول کر دیکھ سُدھ[19] بُدھ گوائے[20]
کیتی[21] شاہ مجلس سو یوں عیش رات
سنواب کہوں کھول کر دِیس[22] دھات[23]   3

---

[1] سُہاوَنا [2] نظر آئے [3] شام [4] چراغوں میں جلنے والی بتیاں [5] آسمان [6] دھواں [7] یکساں [8] رکھی ہوئی [9] جگہ جگہ [10] آنگن؛ صحن [11] ستاروں [12] فانوس [13] سانپ [14] سر [15] سانپ کے سر کی منی جو چمکا کرتی ہے [16] اگ [17] بجائے الف ہمزہ کا استعمال تلفظ اُو بمعنی وہ [18] بہتوں [19] ہوش و حواس [20] گنوائے [21] تلفظ کِتی بمعنی منعقد کی [22] دن [23] طرز، مانند

در تعریف کہ شب گذشت (و روز خود را آراستہ کردہ بہ مجلس شاہ آمد)

اُڑی رات[1] کوئل گگن[2] بن اوپر
نکل دِیس[3] کا باز سُبج[4] صبح پر
پکڑ سُرج[5] چنگل سوں نکھ[6] کرن رات
دِسیا[7] لال لوہو[8] شفق گگن دھات[9]
ڈُبی[10] رات میں تھی نکل دن کپور[11]
ڈبا[12] سُورج[13] دِستا[14] ہے کاپور[15] نور
دِیا[16] رُوم شہ نے سو دہلیز لال
سُرج روپ کرنا[17] طنابان جو گھال
سو یو رات جا، ہو صبح آشکار
شہنشہ کیا حکم کھلین[19] شکار

در تعریف کہ برائے میزوانی (میزبانی) جمع شدہ
اندپائے کوبان ہریک وضع

کوئی بالوں درمیان یوں مانگ چیر
دِسے جیوں کسوٹی میں سونے کی کیر[20]
کہ[21] یا تار زر جیوں سُہاون دِکھائے
پڑیا[23] سیاہ ریشم کے درمیان آئے

---

[1] سیاہ رنگ کی مناسبت سے رات کو کویل سے تشبیہہ دی ہے۔ [2] آسمان کو بن یعنی جنگل کہا ہے۔ [3] دن [4] سبج دھج [5] سورج [6] ناخن، پنجہ۔ [7] نظر آیا [8] لہو، خون [9] طرز، مانند [10] ڈبیا [11] کافور [12] ڈبہ [13] سورج [14] نظر آتا [15] کافور [16] چراغ [17] کرن کی جمع کرنیں [18] ڈال کر [19] کھیلنے کے لیے [20] لکیر جو سونا گھساتے ہوئے کسوٹی پر پڑجاتی ہے [21] گویا، جیسے [22] سہانا۔ [23] پڑا ہوا۔

در تعریف جوڑہ[1]

کوئی باندھ جُوڑہ دِسّے[2] یوں نمائے[3]
سُونے[4] کے سَروٗ[5] پر بیٹھا مور آئے
کر یا بیس[6] کویل جو شمشاد پر
پکڑ پھول گُل[7] لال مُکھ[8] چونچ[9] کر

در تعریف پیشانی و ٹیلہ جڑت

کوئی جڑت[10] ٹیلا[11] پیشانی[12] میں لائے[13]
کھڑا سورج[14] جیوں صبح میدان آئے
عجب ٹوٹ بجلی پڑی چاند میان
دِسّے[15] خوٹے بوند مُکھ[16] ہو گرمی نشان

---

۱ سر کا جوڑا ۲ نظر آئے ۳ سادہ، معصوم۔ ۴ تلفظ سُنے ۵ دراز قد، سرو کا پیڑ ۶ بیٹھ ۷ رُخسار ۸ مُنھ ۹ چونچ مار کر ۱۰ ویسا ۱۱ ٹیکا ۱۲ پیشانی ۱۳ لگائے ہوئے ۱۴ تلفظ سُرج۔ ۱۵ نظر آئے۔ ۱۶ چہرہ۔

در تعریف ٹیلا مشک

کوئی مشک[1] ٹیلا[2] پشانی میں دھر[3]
پڑے چاند بچ[4] جیوں سیاہی نظر
کہ یا مشک ٹیلا بھنور[5] روپ جان
رہیا تھرک[6] دو کنول انکھیوں[7] کے میان

در تعریف مکر بینی

کوئی زیب موتی سو[8] مکرا[9] ہلے[10]
سونے[11] تھال درمیان جیوں پارا ڈھلے[12]
کہ یا ناک[13] دیوا[14] ہے مکھ[15] جوت[16] جان
جھڑے پھول مکرا[17] ہو دستا[18] عیان[19]

در تعریف دُودہ[20] چشم

کوئی آنکھ کاجل جو سُوگیاں[21] سوں کر
سپرٹک[22] بال میں جیوں کھوے دو پر
کہ یا آنکھ تیزی دو پتلیاں ہو سوار
پھر اویں چنچل آنکھ سُوگیاں سو مار[23]

---

[1] خوشبو۔ [2] ٹیکا۔ [3] رکھ کر۔ [4] بیچ۔ [5] بھنورے کی مانند۔ [6] منڈلانا۔ [7] تلفظ انکھیاں آنکھ کی جمع۔ [8] درمیان۔ [9] اس طرح۔ [10] مکھڑا، چہرہ۔ [11] لہرائے [12] تلفظ "سنے"۔ [13] ڈھلکے [14] ناک (انفی) [15] روشن چراغ۔ [16] چہرہ۔ [17] نور، (سنسکرت جیوتی کی اپ بھرنش)۔ [18] مکھڑا، چہرہ [19] نظر آتا ہے۔ [20] عیاں بہ اعلانِ نون۔ [21] دھنواں یعنی کاجل۔ [22] کاجل کی لکیر۔ [23] پھیلا ہوا۔
[24] تازیانہ۔

در تعریف لب و لعلی برگ

کوئی مکھ[1] ادھر[2] پر سو لعلی[3] دھری[4]
رکھے آرسی بیچ[5] کنول پنکھڑی
یا ادکھلیا[6] پھول جاسون[7] لیائے
رکھیا خرش[8] کافور پر آن لائے

در تعریف رنگ سیاہ دنداں

کوئی دانت کالے[9] دِسیں[10] یوں لگار
کنول[11] پھول مین جیوں پچے[12] بھنور[13] ہار
کر یا دانت نیلم[14] جھمک رنگ جڑے
سنگو[15] رتن کے پیالے بھرے

---

[1] چہرہ۔ [2] ہونٹ۔ [3] لالی، سرخی۔ [4] لگاکر۔ [5] بیچ۔ [6] ادھ کھلا۔ [7] یاسمن۔ [8] سرخ رنگ کا ذرّہ۔ [9] مِسی آلود۔ [10] نظر آئیں۔ [11] چوں کہ نون اور واؤ مل کر میم کی آواز دیتے ہیں لہٰذا کنول کا تلفظ "کمل" ہو گیا ہے۔ [12] پھنسنا۔ [13] بھنوروں کی قطار۔ [14] نیلم۔ [15] خوش رنگ

احمد گجراتی

شیخ احمد شریف گجراتی کی دکنی مثنوی "یوسف زلیخا" دبستان گولکنڈہ کی ایک اہم مثنوی ہے۔ یوسف زلیخا کا یہ قصہ جسے "احسن القصص" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں بار بار نظم ہوتا رہا ہے۔ دکنی شاعروں نے بھی اس معروف قصے سے دلچسپی لی اور اسے اپنی مثنویوں کا موضوع بنایا۔ اگرچہ دکنی شعراء میں ہاشمی، امین، معتبر خاں، عمر اور فگار وغیرہم نے بھی اس داستان کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا تھا۔ لیکن شیخ احمد شریف گجراتی کو ان سب پر تقدم حاصل ہے جنھوں نے دکنی میں سب سے پہلے اس قصے کو مثنوی میں پیش کیا۔ لسانی نقطہ نظر سے بھی اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ تاحال اس مثنوی کا ایک ہی قلمی نسخہ دریافت ہوا ہے جس کو ڈاکٹر سیدہ جعفر نے مرتب کر کے ایک مبسوط مقدمے کے ساتھ جولائی ۱۹۸۳ء میں شائع کیا ہے۔

یوسف زلیخا جسے احمد نے ۱۵۸۰ء اور ۱۵۸۵ء کے درمیان تصنیف کیا تھا تین ہزار نو سو سات اشعار پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ خود شاعر نے بتایا ہے اس مثنوی کا ماخذ جامی کی فارسی مثنوی "یوسف زلیخا" ہے۔ اصل قصے کے شروع میں اپنے زمانے کے دستور کے مطابق احمد نے حمد، نعت، منقبت اور شاہِ وقت محمد قلی شاہ کی تعریف وغیرہ درج کی ہے۔ ان اشعار کی مجموعی تعداد چھ سو بیالیس ہے۔ اس طرح قصے کے اشعار کی تعداد ۳۲۶۵ ٹھہرتی ہے جن کی اکاون عنوانات کے تحت تقسیم کی گئی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اشعار کی تعداد ۳۶۸۴ بتلائی ہے۔

شیخ احمد شریف گجراتی کا تخلص احمد تھا اور وہ گجرات میں پیدا ہوئے تھے۔ ایک قیاس کے مطابق احمد کا تاریخی نام فضل اللہ تھا۔ جس سے ان کا سنِ ولادت ۹۴۶ھ نکلتا ہے۔ احمد پیشہ کے لحاظ سے مدرس تھے اور جیسا کہ انھوں نے خود کہا ہے وہ سلطان محمد قلی قطب شاہ کی دعوت پر دکن گئے تھے اور انھیں علم کلام، صرف و نحو اور معانی و بیان پر قدرت حاصل تھی۔ احمد کی تصانیف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ "یوسف زلیخا" کے علاوہ ایک دوسری مثنوی

"لیلیٰ مجنوں" بھی احمد کی یادگار ہے۔ اس کے علاوہ احمد کی ایک رباعی اور چند ایک غزلیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ مثنوی یوسف زلیخا کے قصے کا آغاز حضرت یوسفؑ کے حسن کی تعریف سے ہوتا ہے اس کے بعد طیموس کی دختر نیک بخت زلیخا کی خوبصورتی بیان کی گئی ہے۔ ازاں بعد اس خواب کا بیان ہے جس میں زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو دیکھا تھا (یہی خواب ہمارے انتخاب میں شامل ہے)

شیخ احمد شریف گجراتی کی مثنوی یوسف زلیخا انتخاب میں شامل ہے۔

پھول بن کا شاعر ابن نشاطی احمد کی اہمیت اور استادی کا لوہا مانتا تھا اور اسے اپنے عہد کے استادان سخن میں شمار کرتا ہے۔

سیج ہر کس کوں میرا طبع ہونا — سکر میں یک دکھایا ہوں نمونہ
نہیں وو کیا کروں فیروز استاد — کہ دیتا شاعری کا کچ مرا داد
اہے صد حیف جو نیں سیّد محمد — کتے پانی کوں پانی دود کوں دود
نہیں اس وقت پہ دو شیخ احمد — سخن کا دیکھتے باندیا سو مین سُد
حسن شوقی اگر ہوتا تو الحال — ہزاراں بھیجتا رحمت منج پرال
اچھے تو دیکھتا ملا خیالی — یو مین برتیا ہوں سو صاحب کمالی
اچھے گا جس منے ایمان کا بو — نہ ہوسی داستان سن کر ترش رو

احمد کی ایک اور تصنیف مثنوی مصیبت اہلِ بیت کا ذکر تواریخ ادب اردو میں ملتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا خیال ہے کہ یوسف زلیخا احمد کی تصانیف میں سب سے عمدہ تصنیف ہے۔

"یوسف زلیخا" کے اسلوب میں ہندی روایت، چھک چھک کر بول رہی ہے، اس لیے یہ اسلوب قطب شاہی دور میں قدیم اسلوب کا نمائندہ ہے۔ "یوسف زلیخا" کو سامنے رکھا ہے۔ قصے کا ڈھانچہ بھی کم و بیش وہی ہے بہت سے اشعار ترجمہ ہو کر آتے ہیں، مثلاً باغ، محل، خواب، قیدخانہ ترنج کاٹنے کے واقعے کے اکثر اشعار مشترک ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ زبان کی قدامت کے باوجود ۳ مثنوی میں زور کلام کا احساس ہوتا ہے جہاں سراپا بیان کیا ہے، منظر کشی کی ہے یا جذبات کا اظہار کیا ہے، وہاں شیخ احمد کے قلم میں زور اور توازن اظہار پیدا ہو گیا ہے۔" (ص ـ ۴۲۸)

(تاریخ ادب اردو حصہ اول)

انتخاب

مثنوی یوسف زلیخا

زلیخا در خواب یوسف را دید و بر صورت او عشق بستہ مبتلا شد

بہوت لکھن سلکھن رین فیروز / ادک سکھ دیوے جو روز نوروز

زلیخا بی حریری سیج سج کر / کدم پر سل گلا رگڑے سو پھول بھر

شریر اس کا جو پھولوں راس سارا / کیتے اس راس تیں وہ سیج ٹھارا

رہے بالوں تھے بالش مشک میں ڈوب / دسے نقش انگ ریشم ہور پھول خوب

نیند اے نین موندے نیند بھر سوئے / ولے من دشٹ باندھن نا سکے کوئے

جو اوچیت یک مدن موہن پڑیا دشٹ / یکایک آئے کر آگل کھڑا نیٹ

جو سر تھے پاؤں لگ رزمل جھل نور / چھپے اس چھاؤں اجالا دیکھ انبر سور

سرگ اس مکھ تھے مانگے خوبی کا نم / جو اس نم تھے اپیں تازا رہے جم

لٹکتی زلف جوں زنجیر پگ لگ / جو باندھیں سدبد کے ہات ہور پگ

---

۱ متعدد ۲ اوصاف ۳ خوش اوصاف ۴ رات ۵ زیادہ ۶ بی بی ۷ ریشمی ۸ بچھونا ۹ سجا ۱۰ معطر گھاس ۱۱ وہی ۱۲ بدن ۱۳ انبار ڈھیر ۱۴ کیے ۱۵ مقام، آرام ۱۶ سے ۱۷ تکیہ ۱۸ خوش بو ۱۹ تلفظ = دِسے بمعنی نظر آئے ۲۰ اعضا ۲۱ اور ۲۲ چبھن۔ ۲۳ نیند ے خمار سے بھری ہوئی آنکھیں۔ ۲۴ من کی نظر ۲۵ باندھ ۲۶ کوئی ۲۷ تلفظ = اچِت بمعنی معقول۔ ۲۸ جذبات کو ہوا دینے والا دلبر ۲۹ نظر ۳۰ سامنے ۳۱ نکٹ، نزدیک۔ ۳۲ سر۔ ۳۳ سے۔ ۳۴ تک۔ ۳۵ پاک ۳۶ صاف ۳۷ آسمان ۳۸ سورج ۳۹ جنت۔ ۴۰ سے۔ ۴۱ پسینہ ۴۲ آپ۔ ۴۳ ہمیشہ۔ ۴۴ لٹکتی ۴۵ پاؤں تک۔ ۴۶ ہوش و حواس۔ ۴۷ ہاتھ۔ ۴۸ پاؤں

جو دَو سیں دَوے رُخ دو زلف دو گال
دِسیں دو رَین ہور دو دِیس یک حال
دِسے تل مکھ کا جوں باغ میں زاغ
کیا پھول پر سُہاون مشک کا داغ
لٹکتی لٹ چھبیلی مُوکھ پر یوں
جھیلا ناگ کھیلے دَھن اُپر جُوں
نیندالے نین اَتے نیند دن اَنندے
جو بِن مد پان متوالے کھلیندے
تجے کوئی وہ دو نین دِکھے نین سوں
رہے بن مدماتی ہو وہ مدن سوں
کُھلے دونوں کُھلے نابات کے ہُوئے
شکر باری سو اَمرت کے اُدھر دَوے
منترتے عشق کے منتر شکر پر
لب اُس کے آپ منترتے سو شکر
دریا جو چھٹک اُس ہونٹ کی پاوے
تو کھارا ہے سو شہد امریت ہو جاوے
سُرگ کا ناگ اُس لب کی لہو لگ
شہد ہور مد سوں تد پورے ابد لگ

10

۱؎ دوش لگانا بمعنی سایہ ڈالنا (گرہن کی صورت)۔ ۲؎ دونوں۔ ۳؎ رخسار۔ ۴؎ تلفظ = دسیں یعنی نظر آئیں
۵؎ رات۔ ۶؎ اور۔ ۷؎ دن۔ ۸؎ ایک ہی مقام پر۔ ۹؎ تلفظ = دِسے یعنی نظر آئے۔ ۱۰؎ چہرہ۔ ۱۱؎ گویا
۱۲؎ خوش گوار۔ ۱۳؎ خوشبو۔ ۱۴؎ مکھ، چہرہ۔ ۱۵؎ تلفظ = جھیلا۔ ۱۶؎ سانپ۔ ۱۷؎ دولت مراد خزانہ
۱۸؎ خمار آلود۔ ۱۹؎ بہت شدید۔ ۲۰؎ مسرت۔ ۲۱؎ بغیر۔ ۲۲؎ شراب۔ ۲۳؎ پیے۔ ۲۴؎ حرکت کرتے؛
ہلتے جلتے۔ ۲۵؎ جو۔ ۲۶؎ تلفظ = دِکھے۔ ۲۷؎ آنکھوں۔ ۲۸؎ بن کر۔ ۲۹؎ شرابی۔ ۳۰؎ کیفِ جذب
۳۱؎ سے۔ ۳۲؎ جھڑے۔ ۳۳؎ شکر کی بارش۔ ۳۴؎ آبِ حیات۔ ۳۵؎ لب۔ ۳۶؎ جادو پھونکتے۔
۳۷؎ کلمات۔ ۳۸؎ تلفظ = دری، آ۔ بمعنی سمندر۔ ۳۹؎ چھینٹا، قطرہ۔ ۴۰؎ نمکین، تیزابی۔ ۴۱؎ امرت،
آبِ حیات۔ ۴۲؎ جنت۔ ۴۳؎ (مراد) سرخی۔ ۴۴؎ ہی سے۔ ۴۵؎ اور۔ ۴۶؎ شراب۔ ۴۷؎ تب۔ ۴۸؎ مکمل۔ ۴۹؎ تک

کھلیا ہنس مکھ دسیتیں لب مسکتے جَم
جو بولے من منیں امرت سٹے جَم

قد اُس کا عشق کے مندیر تیں تھانب
پڑے فتنے کوں اچا کر رکھے لانب   20

سبہہ کوئی دانت تیں گانٹھ کھولنت
سو نینہہ کی گانٹھ گھالے من میں وہ دشت

جو یک پگ ڈھال چالی سو چلی چال
دھرے جن دشٹ کھولے اپنا حال

چلی وہ نور کیرا سرو جس ٹھاؤں
رہے سب جگ کے جیو اُس سات جوں چھاؤں

بنی آدم میں نہ اس روپ کوں دیکھیا کوئے
فرشتیاں میں نہ اس صورت انپڑ ہووے

زلیخا جو دیکھی وہ روپ اپروپ
اُسی یک دشٹ نینہہ سمندور رہی ڈوب

اُٹھیا بھڑکا پریت کا من منیں تھے
تجے کچ دیکھی، دیکھی اُس دیکھنے تھے

---

۱ تلفظ۔ کھل۔ ۲ یعنی کھلا ہوا۔ ۳ ہنستا ہوا چہرہ۔ ۴ نظر آئیں۔ ۵ مسکراتے۔ ۶ ہمیشہ۔ ۷ دل ۸ میں۔ ۹ بکھیرے۔ ۱۰ مندر، خانہ۔ ۱۱ ستون، تھمبا۔ ۱۲ اٹھاکر۔ ۱۳ ایک طرف۔ ۱۴ سبھی۔ ۱۵ سے ۱۶ کھولتے۔ ۱۷ پیار۔ ۱۸ ڈالے۔ ۱۹ پاؤں۔ قدم۔ ۱۹ چلی۔ ۲۰ نظر۔ ۲۱ اپنا۔ ۲۲ کی۔ ۲۳ جگہ ۲۴ دنیا۔ ۲۵ جاندار۔ ۲۶ ساتھ۔ ۲۷ روپ کی جمع۔ ۲۸ رسائی۔ پہنچ۔ ۲۹ لاثانی۔ ۳۰ نظر۔ ۳۱ پیار ۳۲ سمندر۔ ۳۳ پہلے زمانے میں 'پ' اور 'ب' کے قوافی باندھ لیتے تھے۔ ۳۴ تلفظ۔ اُٹھیا۔ ۳۵ شعلہ ۳۶ پریت، پیار۔ ۳۷ من میں۔ ۳۸ کچھ۔ ۳۹ دیکھنے، منیں کا صوتی قافیہ ہے قدیم ادب میں ایسے قوافی جائز سمجھے جاتے تھے۔

جو وہ سروے[1] رواں دیکھی نین بھر
رواں کیتے نین دو کالوے[2] کر
چمن چت[3] میں محبت روکھ[4] لائی[5]
پٹی[6] من ماں[7] موہ[8] اچھر[9] لکھائی
کمل آکار[10] ہردا[11] اُس لٹ کوں لڑ جائے
کیتے[12] قربان کالجہ[13] اُس بھواں[14] جائے
رہے اس زلف تھے[15] سپہر[16] سرگ[17] ماں[18]
جو اس کوں اس سرگ تھے پھر چھٹیک[19] ناں[20]

30

دیکھی[21] وہ نین باندھی نین سب تھے
نہ کھولے باج[22] انجھو[23] نین تب تھے[24]
دیکھی وہ جگ دیپاون[25] مکھ کا دیو[26]
سٹی[27] پروانہ کر اُس جوت[28] پر جیو[29]
دکھیت[30] جوں چاند آدھا وہ پیشانی[31]
رکھے جوں چاند آپ[32] گھٹ تئیں نشانی
دکھ[33] اس کے ہات، جیو[34] تھے ہات دھوئے
دکھ[35] اس کے پاؤں تل[36]، سر پاؤں ہوئے
اُجال[37] اس کا ادک[38] سورج تھے[39] دیٹھے[40]
سُرج[41] کو دیکھ شپرک[42] ہوئے بیٹھے
رکھے وہ روپ جیو[43] میں جیو[44] کر مان
پرم[45] پیالے لیتے سنپور[46] مد[47] مان

۱ سرو کی اضافت۔ ۲ نالے بھر کر۔ ۳ گلزارِ دل۔ ۴ روگ۔ ۵ لگایا۔ ۶ تختی۔ ۷ میں۔ ۸ لگاؤ۔ ۹ حرف۔ ۱۰ کنول کی شکل کا۔ ۱۱ دل۔ ۱۲ تلفظ کتے یعنی کیے۔ ۱۳ کلیجہ۔ ۱۴ بھو کی جمع، ابرو۔ ۱۵ سے۔ ۱۶ زحل۔ ۱۷ آسمان۔ ۱۸ میں۔ ۱۹ چھٹکی ہونا۔ ۲۰ نہ۔ ۲۱ تلفظ = دکھی۔ ۲۲ بغیر۔ ۲۳ آنسو۔ ۲۴ سے۔ ۲۵ دنیا کو نور عطا کرنے والا۔ ۲۶ چراغ۔ ۲۷ جھینک دی، فدا کر دی۔ ۲۸ روشنی۔ ۲۹ جان۔ ۳۰ تلفظ دکھت یعنی دیکھتے ہی۔ ۳۱ پیشانی۔ ۳۲ اپنے۔ ۳۳ تلفظ دکھ بمعنی دیکھ کر۔ ۳۴ جان۔ ۳۵ دکھ بمعنی دیکھ۔ ۳۶ تلوے۔ ۳۷ اجالا۔ ۳۸ زیادہ۔ ۳۹ سے۔ ۴۰ دیکھے۔ ۴۱ سورج۔ ۴۲ چمگادڑ۔ ۴۳ دل۔ ۴۴ جان، زندگی۔ ۴۵ پریم، پیار۔ ۴۶ مکمل۔ ۴۷ شراب۔

غواصی گولکنڈوی

عہد وسطیٰ کے بعض دوسرے نامور شاعروں کی طرح غواصی کی زندگی کے تفصیلی حالات بھی ابھی تک پردۂ تاریکی میں ہیں۔ اس کا نام، سن ولادت، تعلیم وتربیت، خانگی زندگی، سنِ وفات وغیرہ کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ قطب شاہی تاریخوں میں کچھ اشاروں اور خود شاعر کے کلام کی داخلی شہادتوں کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ غواصی ملاوجہی اور محمد قلی قطب شاہ کے مقابلہ میں کم عمر تھا۔ قیاس ہے کہ عہد محمد قلی (۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۵ء) کے نصف آخر میں اس نے شعر گوئی میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ محمد قطب شاہ کے عہد حکومت میں اس نے مثنوی سیف الملوک بدیع الجمال تصنیف کی۔ ۱۶۲۵ء میں جب عبداللہ قطب شاہ تخت نشین ہوا تو غواصی نے اس کی مدح میں اشعار کہہ کر اس مثنوی کو سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ عبداللہ قطب شاہ نے اس کی سرپرستی کی اور وہ دربار شاہی سے متعلق ہو گیا۔ قیاس ہے کہ اسے "فصاحت آثار" کا خطاب بھی دیا گیا تھا۔

شاہی دربار سے متعلق ہونے کے بعد غواصی کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ سلطان نے اسے جاگیر ومناصب سے بھی سرفراز کیا تھا۔ اس کے بعد سلطان عبداللہ قطب شاہ نے غواصی کو اپنا سفیر مقرر کر کے بیجاپور کے دربار میں بھیجا تھا جہاں اس کو بڑے اعزاز واحترام کے ساتھ رکھا گیا۔ اس زمانے کے بیجاپوری شعرا نصرتی اور مقیمی نے بھی اپنی تصانیف میں اس کا ذکر عزت واحترام کے ساتھ کیا ہے۔

غواصی کی دو مثنویاں "سیف الملوک وبدیع الجمال" اور "طوطی نامہ" مولوی سعادت علی رضوی نے مرتب کر کے ۱۹۳۸ء میں شائع کی تھیں۔ اس کے بعد غواصی کی دو مزید تصانیف دریافت ہوئی ہیں۔ ایک تو اس کا ضخیم کلیات ہے اور دوسری اس کی مثنوی "مینا ستونتی" ہے جسے ڈاکٹر غلام عمر خاں نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر

غلام عمر خاں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ "میناستونتی" کا سن تصنیف "سیف الملوک و بدیع الجمال" سے پانچ سے دس برس پہلے کا ہے۔

"میناستونتی" کے قصے کے ماخذ پر خود غواصی نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

رسالہ اتھا فارسی یو اول   کیا نظم دکنی ستی بے بدل

میناستونتی کا قصہ ہندوستانی اصل کی ایک قدیم پریم کتھا پر مبنی ہے جس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ چودھویں صدی میں مولانا داؤد نے "چنداین" کے نام سے اور دوسرا حصہ سولھویں صدی کے میاں سادھن نے "مینا بست" کے نام سے تصنیف کیا تھا۔ ان دونوں مثنویوں کے ہندوستان کی کئی بولیوں اور زبانوں میں ترجمے کیے گئے تھے۔ ان دونوں مثنویوں کو بنیاد بنا کر وہ فارسی تصنیف وجود میں آئی جس کو غواصی "رسالہ اتھا فارسی" کہتا ہے اور دکنی میں نظم کرنے کا دعوا کرتا ہے۔

سیف الملوک و بدیع الجمال غواصی کی مشہور مثنوی ہے جو ۱۰۳۵ھ میں تصنیف کی گئی تھی۔ اس مثنوی کو میر سعادت علی رضوی نے دستیاب شدہ چار نسخوں کی مدد سے مرتب کر کے ۱۳۵۷ھ میں اپنے مبسوط مقدمے کے ساتھ شائع کیا تھا۔

سیف الملوک و بدیع الجمال میں 2285 شعر ہیں جن میں سے ۲۲۸ شعر حمد، دعا، نعت، منقبت، مدح سلطان اور تعریف سخن وغیرہ سے متعلق ہیں۔

سیف الملوک و بدیع الجمال ایک عشقیہ داستان ہے جس کی بنیاد قدیم مثنویوں کی اس طرز پر قایم ہے کہ جس میں ایک شہزادہ کسی دوسرے ملک کی شہزادی پر عاشق ہو جاتا ہے اور پھر اس کو حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکل پڑتا ہے۔ برسوں تک اسے مشکلات اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن آخر کار وہ گوہر مراد کو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

سیف الملوک و بدیع الجمال کے عشقیہ قصے کی ابتدا یوں ہوتی ہے ؛

شہر مصر کے بادشاہ عاصم نول کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اہل نجوم کے کہنے پر شاہ یمن کی بیٹی سے شادی کر لی جس سے اس کو ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سیف الملوک رکھا گیا۔ جس دن سیف الملوک کا جنم ہوا عین اسی روز بادشاہ کے

معتبر وزیر کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ساعد رکھا گیا۔ ان دونوں بچوں کی یکساں طور پر تعلیم و تربیت کی گئی اور وہ آپس میں جگری دوست بھی بن گئے۔ جب یہ بڑے ہو گئے تو بادشاہ نے ان کو دربار میں بلایا اور ایک انگشتری اور ایک زریں کپڑا سیف الملوک کو دیتے ہوئے کہا کہ اسے یہ تحفے حضرت سلیمان نے دیے تھے۔ جب شہزادہ سیف الملوک اس زریں کپڑے کو اپنے محل میں آکر کھولتا ہے تو اس میں سے ایک عورت کی تصویر نکلتی ہے جسے دیکھ کر وہ اس پر عاشق ہو جاتا ہے۔ یہ عورت گلستانِ ارم کے بادشاہ شہپال کی بیٹی بدیع الجمال تھی۔ لطف یہ کہ کسی بھی آدمی کو معلوم نہیں کہ گلستانِ ارم کہاں واقع ہے۔ لہٰذا شہزادہ سیف الملوک اپنے جگری دوست ساعد کو ہمراہ لے کر گلستانِ ارم کی تلاش اور بدیع الجمال کو حاصل کرنے کے لیے رختِ سفر باندھتا ہے۔ سب سے پہلے یہ لوگ چین میں پہنچتے ہیں۔ وہاں جا کر ان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی کسی کو گلستانِ ارم کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ دونوں ایک جہاز پر سوار ہو کر چلتے ہیں۔ راستے میں زبردست طوفان کی وجہ سے جہاز ٹوٹ جاتا ہے اور دونوں دوست بچھڑ جاتے ہیں۔ ساعد اور سیف الملوک پندرہ برسوں تک مارے مارے پھرتے رہتے ہیں اور بے شمار مصیبتوں کا سامنا کرتے ہیں۔

سیف الملوک انگشتری سلیمان کی مدد سے سراندیل پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے یہیں اس کی ملاقات بازار میں ساعد سے ہوتی ہے، اتفاقاً بدیع الجمال سے سیف الملوک کی ملاقات بھی سراندیل میں ہوتی ہے اور وہاں سے یہ لوگ گلستانِ ارم لوٹتے ہیں۔ بدیع الجمال کا باپ شہپال دریائے قلزم کی فتح کے بعد گلستان ارم واپس آتا ہے اور بڑی دھوم دھام سے سیف الملوک کی بدیع الجمال کے ساتھ اور ساعد کی شہزادی سراندیپ سے شادی کر دیتا ہے۔ دونوں جوڑے خوش و خرم مصر واپس آتے ہیں۔ عاصم نول شاہ اپنے بیٹے کو تخت و تاج کا مالک بنا کر خود باقی زندگی عبادت میں گزارنے لگتا ہے۔

انتخاب

مثنوی سیف الملوک بدیع الجمال

حمد

الٰہی جگت کا الٰہی سو توں — کرنہار[1] جم[2] بادشاہی سو توں

ترے حکم تل[3] نو گرہ آسماں کے — رعیت ملک تیرے فرمان کے

بھریا تس گرہاں بیچ تارے حشم — کریں نوبتاں سوں النگ دم بدم

فرنگیاں سوں بجلیاں کے رُچ ساز توں — زحل کوں رکھیا کر فرنگ واز توں

جہاں لگ جو بادل کے ہیں گڑگڑات — تیری فتح دولت دمامے کے ٹھاٹ

ہتی[4] تیرے دربار کے پہاڑ[5] سب — چھڑی دار تجھ دار کے جھاڑ سب

جو بارہ اماماں ہیں ان پر سلام — سو بارہ سلحدار تیرے مدام

نبیاں ہور بعضے ولیاں ہیں جتنے[6] — ترے دار کے سرگرو ہیں ویتے[7]

تیری بادشاہی کو کچھ انت[8] نیں — تیرے ملک ہیں غیر[10] کوں پنت[9] نیں

خزنیے بھریا غیب کے غیب تے — 10 — ہوا توں اپیں[11] پاک پھر عیب تے

---

۱ کرنے والا ۲ ہمیشہ ۳ نیچے تلے ۴ ہاتھی ۵ پہاڑ ۶ جتنے ۷ اتنے ۸ خاتمہ
۹ راستہ ۱۰ دخل ۱۱ خود۔

بسایا ہے تر جگ کا یک ہاٹ توں
دکھایا ہر ایکس کوں یک باٹ توں
کھلایا جنت کی کواڑاں تہیں
بندھایا شفق کے پہاڑاں تہیں
چنداہیں تے توں چند ناکاڑتا
سورج تے گرم دھوپ توں پاڑتا
دکھاتا تماشے عجب دور تھے
دیاتا ہے لکھ نور یک نور تھے
ہریاکر رکھیا توں زمیں سات کوں
دیا رنگ پھل پھول ہور پات کوں
نوے پھول ڈالیاں پہ ہار آئی سو
ادتشریف ہے تجھ کنے پائی سو
جو کچھ توں کرے سو سرے جم تجھے
سدا سیوے مل سات عالم تجھے
غواصی جو تجھ دار کا خاک ہے
تیری باٹ کا محض خاشاک ہے
دکھا کیمیا کر توں مجھ خاک کوں
دے رنگ باس مجھ دل کے پھل پھانک کوں

دعا

20 رحیما سچا توں غنی ہوئے رہے
غنی تجھ بغیر از نہیں کوئی رہے
توں مقبول ہے مقبلاں کا سچیں
تہیں نور روشن دلاں کا سچیں
جو کوئی زندہ دل ہے توں ان کا حیات
جو کوئی ہووے تجھ سات توان کے سات
جو ہوں یا الٰہی ترا داس میں
کیا ہوں بہت اک تیری آس میں
تو مجھ داس پر کھول در فیض کا
میرے من منیں بھر اثر فیض کا
طراوت دے مجھ آس کے باغ کوں
دوا بخش مجھ درد کے داغ کوں

---

۱ تین عالم ۲ بازار ۳ ہرایک کو ۴ توہی ۵ چاند ۶ سے ۷ چاندنی ۸ نکالتا ۹ پھاڑتا یعنی بکھیرتا
۱۰ سے ۱۱ روشن کرتا ۱۲ لاکھ ۱۳ ہرا بھرا ۱۴ بہار ۱۵ سرا ہے۔ سہائے ۱۶ ہمیشہ ۱۷ خدمت کرے۔
عبادت کرے۔ ۱۸ فاش، نارنگی، سنترے وغیرہ کے قدرتی ٹکڑے۔ ۱۹ سچ سچ۔ حقیقت میں۔
۲۰ خدمت کرنے والا۔

دنیا میں بڑا کر جواں مرد مُج[1] | تیرے باٹ کا کر کے رکھ گرد مُج
عطا کر مجھے کچ ترے نانوں سوں | دے پرواز مجکوں بلند دھاؤں سوں
ترے نور کی رہ دکھانا مجھے | دلا عاقبت کا بستر[3] مجھے
جلا دے میرے جیو کی آگ کوں | دے رنگ باس مجھ دل کی پھل[4] پھاک کوں
سدا کسب میرا سو اخلاص کر | 30 تیرے خاص بندوں میں مجھ خاص کر
جگا جوت تج دھیان کیرا[5] رتن | میرے من کے صندوق میں رک جتن
ہما[6] کر مجے باٹ کے اوج کا | شہنشاہ کر گیان کی فوج کا
مسیحا کا دے منجکوں آثار جم | میری جیب[7] کوں کر شکر بار جم
بھر امرت کے چشمے میرے کلک[8] میں | رتن غیب کے لیا میرے سلک[9] میں
جو غواص ہو تج ثنا[10] تا اچھوں | نوے مضمناں[11] ڈھنڈ لیا تا اچھوں
بحق نبیؐ ہے جو تیرا رسول | مناجات غواصؔ کا کر قبول

درلغت

سچا توں محمدؐ سچا مصطفےٰ | سچا ہے توں احمدؐ سچا مرتضےٰ
توں طٰہٰ توں یٰسین توں ابطحی | توں اُمّی توں مکّی توں مرسل صحیح
توں اول توں آخر توہی ہے امیر | توں ظاہر توں باطن نبیؐ بے نظیر
تہیں ہاشمی ہور قریشی رسول | 40 جکچ توں کہے سو کرے رب قبول

---

[1] مجھ، مجھے [2] راستہ [3] فاش [4] کا [5] ہما [6] زبان [7] قلم [8] (موتیوں کی لڑی) نظم [9] تعریف کرنا [10] مضمون کی جمع

توں قائم توں حجت توں حافظ سچا
توں شافع توں سابق توں واعظ سچا

تقی ہور سخی توں ولی ہور خلیل
دیا تج بنی ناؤں رب الجلیل

خدا کے نبیاں کا سو سلطان توں
دیونہار[1] ساریاں[2] کوں ایمان توں

توں صاحب سچا ہے جگت تین کا
سدا تج تھے[3] معمور گھر دین کا

توں ظاہر توں پنہاں اچھے سب سیتے[4]
ولے ہر گھڑی مل اچھے رب سیتے

زمیں تھے عرش پر گئے شہ سوار
کرے توں گذر پل میں کئی لاکبار

ملائک یو پروانہ تج نور کے
ولیاں[5] سارے ذرہ ہیں سور[6] کے

طلب کا جو سر پر رکھیا تاج توں
دیا تل میں جانو معراج توں

خدا ہور تج میں جدائی نہیں
کسے[8] رب سوں یوں آشنائی نہیں

ہتیلی تیرا لوح انگلی قلم .50
تیری مشت میں عرش کرسی ہے جم

خدا کا جو عالم ہے سجدہ ہزار
رہیا ہے تیرے چھاؤں تل برقرار

توجس ٹھاؤں اپنا رکھے پاؤں توں
تو درجال[9] جیو آوے اس ٹھار[10] کوں

زباں دیوے توں بے زباناں کے تئیں
فرح بخش حیواں کے کاناں کے تئیں

توہیں معجزیاں کوں سو دکھلانہار[11]
توہیں سب کوں جنت میں لیجانہار

غواصی جو صدقا ہے تج ناؤں پر
فدا جیو ہے اس کا تیرے پاؤں پر

نبی کے ابابکر اصحاب ہیں
سو دسرے عمر ابن خطاب ہیں

سو عثمان نبی کے بڑے یار ہیں
ہمیشاں وو ان کے وفادار ہیں

---

۱ دینے والا۔ ۲ ہر ایک کو۔ ۳ سے۔ ۴ سے۔ ۵ ولی کی جمع۔ ۶ سورج۔ ۷ پل، [illegible]
۸ کسی اور کو۔ ۹ درجات۔ ۱۰ جگہ۔ ۱۱ دکھانے والا

در صفت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ

تو ہے سات جگ کا ولی یا علی　　ولیاں تیرے جگ کے قتلی یا علی

جکوئی غوث ہے قطب اقطاب ہیں　　جکوئی جو جلالت کے اصحاب ہیں

دو ہیں خاک ہو جم تیرے پاؤں تل　　کریں زندگانی تیرے چھاؤں تل　60

دھرت گم مٹھی میں تری یوں دیسے[1]　　کہ دو مغز بادام میں جیوں دیسے

کہ توں دو کلیم آج مغرور ہے　　جو کاندھا[2] نبی کا تیرا طور ہے

جو سیمرغ ہے قاف ٹھارا[3] اُسے　　تیرا یاد دائم ہے چارا اُسے

پہاڑاں تیرے داس کہواویں سب　　چل آوے کہے توں تو چل آویں سب

دکھاوے جلالت کے جودھا[4] توں　　بھری[5] لیا گھڑے میں سمندر سات توں

اتل[6] اتنا غضب کر جو توں دور ہوئے　　بھنڈولی[7] نو انبر[8] کی پھٹ چور ہوئے

کھڑا ہوئے اگر ہٹ[9] سوں یک سات[10] توں　　نہ پھرنے دیوے دیس[11] ہور رات کوں

بھجنگ[12] دھرت سوں آنکل خاک تھے　　رہیا بھار[13] لے سر پہ تج دھاک تھے

کرامت تھے تیرے کنکر پہاڑ ہوئے　　سکی[14] ڈالیاں سب ہرے جھاڑ ہوئیں

ولایت کے اسمان تھے بھار جیوں　　تیرا کھرگ[15] نکلتا سورج سار[16] جیوں　70

چندر تارے دہشت سوں چھپ گئے تمام　　تیرا مکر[17] کرنے تھے سب رہے تمام

گگن جو اہے ناگ پھن سات کا　　پڑے ضرب اس پر جو تج ہات کا

سو سا تو پھن[18] اس کے پڑیں ٹوٹ کر　　زمیں ٹکڑے ہو جائے سب پھوٹ کر

کہ پھر جھاڑ گل بر زمیں تجکوں آئے　　شجاعت تیرا اس ملک گڑ بڑائے

جو سب ٹھار تیری دُراہی[19] چلے　　سبھی کھن میں تیری جو شاہی چلے

جکوئی تج ولایت منے شک جے لائے　　دو بیشک جو دوزخ کے درمیان جائے

---

[1] دسنا نظر آنا۔ [2] کندھا۔ [3] ٹھہرنے کی جگہ۔ مقام۔ [4] قسم۔ اس طرح۔ [5] بھرلے۔ [6] تھوڑا سا۔ [7] بھنڈار۔ [8] نو اسمان۔ [9] ضد۔ [10] ساعت، گھڑی۔ [11] دن۔ [12] کالا سانپ۔ [13] بوجھ۔ [14] سوکھی۔ [15] تلوار۔ [16] مانند۔ [17] مکر کی، جھوٹی صبح [18] سات پھن۔ [19] حکومت

فدایا علی میں تیری بات پر — ستوں[1] خارجاں کی منڈیاں[2] کاٹ کر

کروں ورد اپنا تیرا ناؤں میں — دنیا دولتاں غیب تھے پاؤں میں

بدن پر کروں جیب[3] ہر بال کوں — سراؤں سدا تج نول لال کوں

رہوں تج تھے جگ میں سیرافراز ہو — 80 سدا تج ہوا میں اوڑوں باز ہو

تیری پنت[4] کی دھول انجن[5] کروں — درد دک[6] کوں یک دھر تھے بھنجن[7] کروں

رہوں تیرے بندیاں منیں خاص ہو — تیری مدح دریا میں غواص ہو

نظر کر کرم کی توں منج پر مدام — تج اوپر ہزاراں درود ہور سلام

جو بارا اماماں بڑے راج ہیں — جماتے[8] انوں کے مرے تاج ہیں

تحیات ان کے اوپر لاکھ لاکھ — مخالف انو کے اچھو جم ہلاک

مدح حضرت میراں محی الدین قدس اللہ سرہ

قسم کھاؤں میں سورہ یٰسین سوں — کہ حق بعد ہے جیو میراں تین سوں

حمایت جو مج بس اہے تین کا — محمد، علی، ہور محی الدین کا

کہ یو تین سو ایک ہیں دوئی نیں — وو دیکھے سو احوال بنا کوئی نیں

ولیاں میں ولی سو محی الدین ہیں — مقرب ولی سو محی الدین ہیں

محباں جتے ہیں سگل طالباں — 90 یو محبوب کے ہیں وو سب مطلوباں

تہیں غوث اعظم سو مشہور ہے — چراغ نبی کا تہیں نور ہے

---

[1] پھینکوں۔ [2] گردن یعنی سر۔ [3] زبان۔ [4] راستہ۔ [5] سرمہ۔ [6] دکھ۔ [7] ختم کردوں۔ برباد کردوں۔ [8] جوتے۔

خدا کے سو ہے شیر کا شیر یو — دھرے سب منے تیز شمشیر یو
کہ اس بات شاہد ہے بندہ نواز — محمد حسینی ہے گیسو دراز
محی الدین کا قدر اُنو فام اپیں — کہے ہیں نوڑ[9] ہور نیہ[9] نام اپیں
جکوئی جو محی الدین سوں پھر پڑے — ٹوٹے گردن اس کی تلیں[1] سر پڑے
اُسے چھوڑ جو کوئی منگے دین کوں — نہیں دین و ایماں اس ہین[2] کوں
نہ اس کو خدا نا محمدؐ، علیؓ — دیوانا کتا ہو پھرے ہر گلی
جو کوئی ایک دل ہے محی الدین سوں — سرافراز ہے او دنیا دین سوں
اپھے جس تھے خوش یو ولیاں کا ولی — خوش اوس تھے خدا ہور محمدؐ علیؓ
کہے غین ہور واو الف صاد لے — 100 محی الدنیاں کوں اچھے یاد لے
جہاں لک محی الدنیاں ہیں تمام — ہیں مقبول اللہ کے والسلام

تعریف سلطان عبداللہ قطب شاہ

جو سلطان عبداللہ آفاق گیر — سو لکھن شہنشاہ گردوں سریر
چندا چوندواں خسروی بُرج کا — اَمولک رتن حسن کے دُرج کا
سگل پادشاہاں ہیں اس کا ہے نانوں — اسی قطب کا قطب تارا ہے چھاؤں
سلیماں کے جو تخت کا نانوں ہے — عطا شہ کوں او تخت کا ٹھاؤں ہے
پریاں دیو آویں وطن چھوڑ سب — کھڑے ہو رہیں ڈرتے ہت جوڑ سب

---

[1] ذلیل۔ کم تر۔ [2] غواصی

نت اس شہ کے سیوک ہوں سیویں[1] تمام — دکھن شاہ کوں یوں کہ لیویں[2] تمام

مگر پھر کہ دنیا میں اوتار ہو — سلیمان آیا تخت سوار ہو

عجب کیا جو شاہاں مل آدیں تمام — سو بندگی کا خط دیکے جاویں تمام

جلالت بھریا حال دیکھ شاہ کا — 110 کلیجا پھٹے مہر ہور ماہ کا

کیے عدل یو شہ ہر یک ٹھاؤں سوں[3] — کہ نوشیرواں کا چھپا ناؤں کوں[4]

دلیران سو ہیبت تھے ہلتے ڈریں — گویاں[5] میں تے شیراں نکلتے ڈریں

اسی شہ دلاور کے ڈر واسطے — ستارے کھڑے ہوں نہ سک نھاتے[6]

اگر شہ جو فرماوے یک تار[7] کوں — چلاتا[8] لے کر آوے سنسار کوں

بچن[9] سن کے یاجوج شہ دھاک تے — چھپا جاکے پاتال میں خاک تے

قوت شہ کا پاکر مکھی سار کی — تھپیڑاں سو رستم کے مکھ مارتی

حمایت سو شہ عدل کا پاکر — بدل جا وطن کر رہیا باڈ پر

دے شہ کوں یوں ہات تیغ آبدار — کہ حیدر کے جیوں ہات ہیں ذوالفقار

جم اس شہ کوں یو کامرانی سجے — عدالت میں نوشیروانی سجے

اگر علم کی بات پوچھے جسے — 120 انداز نہیں مارتے دم کے

کہ ہیں شہ کوں روشن گپت[10] راز سب — چھپے غیب کے جو ہیں آواز سب

اگر کوئی لیویں گوند[11] کچ دل منے — کہے[12] کھول شہ فام[13] کر تل[14] منے

منگے دل جو ٹک شاہ گنبھیر کا — پون[15] پر بند ہاوے محل[16] نیر[17] کا

لٹکتا جو شہ جاوے جس ٹھاوں چل — ہوا آپڑے فرش ہو پاؤں تل[18]

انبر[19] سات جو گرد[20] گھیرے اہیں — سو شہ کے رنگا رنگ ڈیرے اہیں

---

۱ خدمت۔ سیوا۔ ۲ پکڑیں (اپنی ضرورت کے لیے)۔ ۳ سے۔ ۴ قسم۔ ۵ گوئی کی جمع۔ ۶ بھاگتے۔ ۷ تارے کو۔ ۸ دوڑتا ہوا۔ ۹ چرچا، ذکر۔ ۱۰ پوشیدہ۔ ۱۱ سوچ سمجھ۔ ۱۲،۱۳ پل۔ گھڑی۔ ۱۴ ہوا۔ ۱۵ پانی۔ ۱۶ نیچے۔ تلے۔ ۱۷ اسمان۔ ۱۸ چاروں طرف

رضا شہ کی ہووے ذرا[1] چور کا — یویں تل منے تخت چند سور کا
خزینے جو ہیں شہ کے بھرپور ہو — جواہر کے ہیں عین سمدور ہو
جتا[2] اس خرچتے[3] تو سرتا[4] نہیں — جتا لیا کہ بھرتے تو بھرتا نہیں
نہ ایسا کہیں شاہ سوجان ہے — نہ ایسا دلاور کہیں جوان ہے
نہ شہ سار سورج کس اسمان میں — 130 نہ شہ سار تن ہے کسی کھاںؔ[5] میں
فدا شہ پہ چند سور اسمان کے — جتنے ہیں رتن جگ کیرے[6] کھان کے
غواصی جو شاعر ہے شہ کا مدام — کرے یوں دعا شاہ کوں صبح و شام
جہاں لگ یو دنیا بسن[7] ہار ہے — جدّ[8] ہاں لگ یو انبر نراد[9] ہار ہے
جہاں لگ اچھو شہ کی شاہی قرار — رکھے امن سوں شہ کوں پروردگار
اچھو دوستاں شہ کے شہ چھانوں تل — دندے[10] ہور سب دشمناں پانوں تل

تعریف سخن

قلم کاف و نوں تھے جو نکلیا بہار — سو پہلے بچن کوں کیا آشکار
بچن کا پڑیا نا د سرون منے — کیا ٹھار آجیو کے تن منے
جکچ راز پردے میں ہیں غیب کے — جو کچھ ہیں چھپے بھید لاریب کے
دتے سب بچن میں سماتے اہیں — 140 بچن مینچ[13] تھے بھار[14] آتے اہیں
بچن تھیں سدا جیب کوں روچ[15] ہے — بچن نیچ بھرپور سب کوچ ہے

---

[1] ذرہ۔ [2] جتنا۔ [3] خرچ کرتے۔ [4] ختم۔ [5] کان (معدن)۔ [6] کے۔ [7] بسنے والی ہے۔ [8] جب تک۔ [9] بے آسرا۔ [10] دشمن۔ [11] آواز۔ [12] کان۔ [13] میں ہی۔ [14] باہر۔ [15] مزہ۔

کرشہ گھر سدا عیش کا کاج اچھو
بسے لگ دنیا شاہ کا لاج اچھو

بچن عرش کرسی پو تھے دھائے ہیں — بچن آدمی کے بدل آئے ہیں

بچن کا فضیلت جم اونچا اہے — بچن کے نہ کوئی حد کوں پونچا اہے

بچن کا[1] اہے گرم بازار جم — بچن کوں پروہے ہر یک ٹھار جم

بچن تیچ ہووے خدا کا صفت — بچن تے ہووے نعمت اور منقبت

بچن تے شہاں کوں سراتے[2] اہیں — بچن تے حساباں[3] کتاباں ہووین

بچن تھے مراداں جگت پاوتے — بچن تھے ملک ہور گڑھاں[4] آوتے

بچن تھے بھلے اور برے کام سب — ہر ایکس کوں ہوتے اہیں فام[5] سب

بچن تیچ ہووے سدا صلح و جنگ — 150 بچن تیچ حاصل ہووے ناؤ ننگ[6]

بچن تھے ہوئی فام نیکی بدی — بچن تھے ہووے منتہی مبتدی

بچن تھے دلاں ہات لیتے اہیں — بچن تھے کتے[7] جیو دیتے اہیں

بچن تھے چلے دین و دنیا تمام — بچن کے ہیں محتاج سب خاص و عام

بچن تھے گھراں ہووتے ہیں کھڑے — بچن تیچ ہوتے ہیں لوگاں بڑے

بچن موتی ہیں جیو کے کان کے — بچن پر تھے واریں رتن کھان کے

بچن کی یو جھلکار نوبھان[8] میں — ستارا نہیں ہے کس اسمان ہیں

بچن غیب کے ہیں عجب جوہراں — بچن کے سوا ہیں جوہری شاعراں

بچن کے سمند کا ہوں غواص ہیں — دھر نہار ہوں موتیاں خاص ہیں

جگت جوہری سب میرے پاس آئے — میرے خاص موتیاں کوں جیو کر لیائے

چڑے ہات موتی یو جس راج کے — 160 تو سر پر رکھے جوڑ اوپر تاج کے

اُنن[9] کا بہا[10] کوئی دے نا سکے — بغیر راج بھی کوئی لے نا سکے

---

1 سے ہی = (تے + چ) 2 تعریف کرتے قصیدہ لکھتے۔ 3 حساب کتاب کی جمع۔ 4 قلعے۔
5 فہم، سمجھ۔ 6 شہرت نام اور بدنامی۔ 7 کتنے۔ 8 نیا سورج۔ 9 اُن۔ 10 بدلہ قیمت۔

در حسب حال خود گوید

جو یک دیس نکل میں سحرگاہ کر ——— چلیا پھول باڑے کدن خیال دھر

سو یوں کچھ وہاں پھول بار آئے تھے ——— سبز پوش ڈالیاں پہ چھلکائے تھے

مگر پانچ سوں شمع کے جھاڑ کر ——— دیوے لیائے تھے نور کے سربسر

میرا روح پروانہ کے سار کا ——— جو عاشق ہے نوروں کی جھلکار کا

دیکھ اس شمع کے جھاڑ کوں نور کے ——— لگیا پھرنے خوش کھول پنکھ سور کے

منجے حالت اس ٹھار پیدا ہوا ——— سعادت کیرا دن ہویدا ہوا

میرے بخت کا سور چھلکائیا ——— مکھ اقبال چوندھر تھے دکھلائیا

کواڑاں کھلے سب میرے فام کے ——— کھلے پھول مقصود کے کام کے

میرا جیب بلبل ہو بولن لگیا ——— چھپے غیب کے نغمے کھولن لگیا 170

ہوا عقل کا دست مایا مجھے ——— تو اس دھات خاطر میں آیا مجھے

کہ پنجاؤں نا دل تے تازا نگار ——— جو دنیا میں اپنا اچھے یادگار

میں یو بول پڑا کیا نئیں لگوں ——— ندا غیب کا آئیا مجکوں یوں

کہ اے تازے نقشاں کوں پہچانہار ——— بچن غیب کے ڈھنڈ ڈھنڈ لیا نہار

نبا یک طرح توں کہ یو وقت ہے ——— تسوں یار جواب ترا بخت ہے

کھلا ہے ترے مکھ پہ در فیض کا ——— ہوا ہے عطا تج اثر فیض کا

---

۱ دن۔ ۲ کیاری۔ ۳ طرف۔ ۴ زمرد، جالا، بلور۔ ۵ سے۔ ۶ پودا، پیڑ۔ ۷ چراغ۔ ۸ مانند۔ ۹ چمک، روشنی۔ ۱۰ کا۔ ۱۱ سورج۔ ۱۲ روشن کیا۔ ۱۳ چاروں طرف سے۔ ۱۴ سے۔ ۱۵ کواڑ کی جمع۔ ۱۶ زبان۔ ۱۷ دوست۔ ۱۸ سرمایہ۔ ۱۹ اس طرح۔ ۲۰۔ ۲۱ نگارش۔ ۲۲ ٹک۔ ۲۳ پہچاننے والے۔ ۲۴ جن سے

نکل آ فصاحت کے میدان توں　　بچن کے تُرنگ کوں دے جولان توں
کہ اس ٹھار تج بن نہیں کوئی اب　　لجا توں بلاغت کیرا گوئی اب
کہ سیف الملوک ہور بدیع الجمال　　یو دونوں ہیں عالم منے بے مثال
اُنن دوئی کا داستاں بول توں　　180 سو دفتر اُنن عشق کا کھول توں
کہ کئی داستاں جگ میں ہو گئے اہیں　　دلے کوئی ایسا نہیں کئے اہیں
تیرے تائیں آیا ہے یو داستان　　ظفر تج کوں لیا یا ہے یو داستان
پڑیا یو ندا جوں میرے کان میں　　کھڑا آ فصاحت کے میدان میں
میرا دل خزینہ جوں معمور ہے　　بچن کے جواہر سوں بھرپور ہے
لگا رو لنے تائیں میں جواہراں　　دِیا یا تجلیاں میں نو امبراں
کیا شعر تازا بڑے چھند سوں　　ہر یک بند بٹھلا ئیا بند سوں
جو لفظاں ملایا رنگیلے نچھل　　پرویا جواہر کی جھیلے نچھل
خیالاں کے فوجاں کو دوڑائیا　　ہزاراں نوے تشبیہاں لائیا
بنایا نوے مضموناں ہور بھی　　دیا طبع کو زور پر زور بھی
رچیا بول پر بول یوں رس بھرے　　190 جو اس تھیں میٹھائی کے بچھراں جھڑے
میرا گیان عجب شکرستان ہے　　جو اس تھے میٹھا سب ہندوستان ہے
جتے ہیں جو طوطی ہندوستان کے　　بھکاری ہیں منج شکرستان کے
شکر کھا میرے شکرستان تھے　　مٹھے بول او ٹھے او اپس گیان تھے
کہیا میں جو کچھ آئی سو فام میں　　کیا ناتوں یک روم ہور شام میں
اچایا طرز ایک تازا میٹھا　　جگت بیچ پاڑیا آوازا میٹھا

ے امنگ۔ ۲ جولانی۔ ۳ میں۔ ۴ ان۔ ۵ دونوں۔ ۶ کہے۔ ۷ تب۔ ۸ دیپ جلانا۔
۹ نو آسمان۔ ۱۰،۱۱ بٹھایا باندھ کے بعد بند نظما یا یعنی ایک شعر سے دوسرا شعر جڑا ہوا ہے۔ ۱۲ لفظ کی جمع۔ ۱۳ خیال کی جمع۔ ۱۴ فوج کی جمع۔ ۱۵ لکھا، تخلیق کیا۔ ۱۶ حرف۔ ۱۷ میٹھا بات شکر کی جگہ۔ ۱۸، ۱۹ نکالا

دکھایا ہنر موشگافی کیا　　سلاست کے تیں نئے سر[1] تے صافی دیا
نزاکت کوں میں آپ نے خیال تھے　　دکھایا ہوں باریک کر بال تھے
دیا تازگی شعر کے دھات کوں　　سحر کر دکھایا ہر یک بات کوں
لطافت منے میں سخن سنج ہوں　　دھرنہار[2] لک[3] غیب کے گنج ہوں
200 جو میں ہم سوں طبع آزمائی کروں　　تو ساریاں[4] اوپر پیشوائی کروں
کہوں تازے مضمون یک تل منے　　کہ بے حد ابلتے ہیں مجھ دل منے
ہنر کی گوئی کا سو میں باگ[5] ہوں　　بچن کے اوتم[6] گنج کا ناگ[7] ہوں
سکے کون ملنے میرے طور میں　　کہ رستم ہوں میں آج کے دور میں
میری جیب عجب کھرگ[8] ہے آبدار　　سدا تیز پانی دھرے بے شمار
میں اپ جیب کی کھرگ تاثیر تھے　　بچن کا لیا ملک یک دھیر تھے
فہم کا سو گنبھیر[9] دریا ہوں میں　　جواہر کے موجاں سوں بھریا ہوں میں
عطارد سو ہے کلک[10] مجھ ہات کا　　دوات ہے سو میرا چندر رات کا
گگن ساتوں دفتر میرے شعر کے　　ستارے سو جوہر میرے شعر کے
جو کچھ تشبیہاں خوب معقول ہیں　　میرے خیال کے بن کے وہ پھول ہیں
210 میرے طبع کا جھاڑ جم لیا وے باز　　کھلے پھول تس کوں ہزاراں ہزار
یو امرت سو بتیاں بڑے شوق سوں　　میں لکھنے لگیا دل کے ات ذوق سوں
قلم جیو پا چلبلانے لگیا　　دو جیباں سوں مجھ کوں سرانے لگیا
جہاں ہووے مذکور یو داستاں　　دلاں کوں دیووے سرور یو داستاں
سنیں عاشقاں یو تو حیران ہوئیں　　پڑھیں پیر مرداں تو پھر جوان ہوئیں

---

[1] از سرِ نو۔ [2] دھرتے والا۔ [3] لاکھ۔ [4] سب۔ [5] شیر۔ [6] بہترین خزانے۔ [7] نگینہ۔
[8] تلوار۔ [9] گہرا۔

نرنجن[1] جگت کا توں سائی[2] اہے ۔۔۔ دیا ونت[3] داتار نامی اہے
بلی جاؤں[4] اس کی دیا کے اوپر ۔۔۔ مہربان رب کی میا[5] کے اوپر
جو مجھ دل کے سمدور پر دوڑیا ۔۔۔ عنایت کیرا سانت[6] برسائیا
سو میرے خیالاں کے سیپیاں منے ۔۔۔ ہریک بند[7] تس[8] سانت کے آچے[9]
سو یوں کوچ[10] موتیاں ابلنے لگے ۔۔۔ خیالاں کے سیپیاں ہیں ڈھلنے لگے
جو دل سمد[11] کوں موج پر موج آئی ۔۔۔ 220 ہریک موج چوندھرتی[12] جوں فوج آئی
سو فوجاں مجھے شوق ہیں لیائے ہیں ۔۔۔ جواہر کی جھلکار دکھلائے ہیں
جو غواص ہوں میں کمر باندیا ۔۔۔ سو سمدور میں دل کے ڈبکی لیا
سو یوں موتیاں دھال لیانے لگیا ۔۔۔ جواہر کے لیا راس[13] بھانے لگیا
جو سات انبراں میں سمانا سکے ۔۔۔ کسی کے حساباں میں آنا سکے
سو موتیاں کے آنگے لیا راس ہیں ۔۔۔ مدد منگ اپنے خدا پاس میں
پرونے لگیا بیس[14] اَپ[15] ہات سوں ۔۔۔ رنگا رنگ ہاراں[16] ہونت بھانت سوں
ہریک ہار سینگار سنسار کا ۔۔۔ سورج ہو ڈبے جوت ہر ہار کا
کہوں داستاں سربسر کھول ہیں ۔۔۔ کروں جگ کوں بیتاب اٹھوں بول لیا

---

[1] پاک۔ بے عیب۔ [2] مالک، سوامی۔ [3] دیا والا۔ مہربان۔ [4] قربان۔ [5] محبت، مہربانی۔ [6] برسات۔ [7] بوند۔ [8] اس۔ [9] موتی بن جائے۔ [10] کچھ۔ چند۔ [11] سمندر۔ [12] چاروں طرف سے۔ [13] انبار۔ ڈھیر۔ [14] بیٹھ کر۔ [15] اپنے ہاتھ سے۔ [16] ہار کی جمع۔

انتخاب

مثنوی مینا ستونتی

کہ یک شہر کا تھا بڑا بادشاہ — جہاں گیر عالم میں تھا شہنشاہ

سچا عادل و مہرباں شہریار — اُتھا ناؤں اُس کا بالا کنوار

اُسے گڑ[1]، ولایت، بہت شہار[2] تھے — سبی[3] خلق واں کے دُنیا دار تھے

تھا عالم خلق سب اَمن میں تمام — رتے[4] تھے ٹھنڈی[5] چھانوں میں خاص و عام

تھی بیٹی اُسے ایک صاحب جمال — اُتھا ناؤں اُس کا سو چندا کمال

جھلک چاند کا جوں اُجالا دِسے — سُگڑ[6]، چُنچلی نار دل میں بسے

سَرو کے نمن[7] نار، نازک، چنچل — یو[8] پانی اُپر[9] جیوں کھلا ہے کنول

تھا اِس بادشاہی میں گوال[10] ایک — اِسم اس کا لورک، اُتھا ناؤں نیک

گو[11] ہانک اک دن او، آتا اُتھا — شہر کی گلی میں سوں[12] جاتا اُتھا

شہنشاہ کی بیٹی چھجے کے اُپر — کھڑی تھی، سو دیکھی اُسے سر بسر 10

کہی من میں، کیا خوب سیدا[13] ہے جان — گو ور اکھتا[14] کر، ہُوئی[15] پشیمان

کھڑی ہو اشارت سو گئی اس سنگات — کدھی[16] ہوں تجے سرفرازی کی بات

مرا دل لگیا[17] منج سوں، تو راج ہے — تجے سرفرازی کا یو ساج ہے

یو سن بات گوال تسلیم کر، — کہیا منج پو[18] کرنا کرم کی نظر

میں چاکر ہوں تیرا نظر منج اُپر — ترا منج پو سایا ہے، سر تو چھتر

کہی سن کر گوال! اے جان یار — کی[19] ہوتا ہے ڈھوروں[20] منے خوار زار

---

[1] گڑھ [2] شہر [3] سبھی [4] رہتے [5] ٹھنڈی [6] سگڑ یعنی اوصاف حمیدہ [7] مانند [8] یہ [9] اوپر [10] گوالا [11] گائے ہانکتے [12] سے [13] انبیلا [14] رکھتا [15] ہوئی [16] کبھی [17] لگا ہے [18] پر [19] کیوں [20] جانوروں کے درمیان

میرے پاس دھن مال ہے کئی متا ‏— تجے دیوں گی میں، جتّا ہے وِتّا
کتی ہوں سدا سکھ سوں مل کر رہنا ‏— ہیں عار وس پیاری، توں نوشہ بنا
یوسن کر کہیا میرے گھر نار ہے ‏— او ستونت ناریاں میں اوتار ہے
خدا نے اسے نور ایسا دیا ‏— چھتر سار خاصیاں میں اس کوں کیا 20
اِسم پاک اس کا کہوں میں ٹک ایک ‏— پتی ورتا مینا سو ہے ناوں نیک
اُسے چھوڑ جانا تو واجب نیں ‏— ہیں کس دھات سیتیں لے جاوں تیرے تیں
یو سن بات، چندا کہی اُستوار ‏— ابی ہور خدا تج کو کرنا ہے خوار
جو کھاندے پچوالا، چندوٹی ہے سیر ‏— لنگے پاوں ہور یک لنگوٹی ہے پھیر
تجے کائی کوں کسوت بچھانا صدر ‏— ارے گاوڑی، کیا توں جانے قدر
یو سن بات لورک کہیا شہ پری ‏— پکڑ ہات میرا، کرم توں کری
توں چندا، ہیں لورک ہوں چاکر ترا ‏— بلا دور، کروں تج اُپر جیو مرا
کیے دونوں بل اختیاری یو گھٹ ‏— لیے مال، ہور واں تے نکلے اوپٹ
لے چندا کوں لورک جو باہر ہوا ‏— سو یو غلبلا جگ میں ظاہر ہوا
گئی رات، ہور بھی اُجالا بھیا ‏— خبردار لوگاں کوں معلم ہوا 30
سوراجا وہاں کا بیٹھیا تخت پر ‏— خبردار اس کوں دیے یو خبر
تری پاک دامن کوں لورک گوال ‏— بڑا ادھیٹ ہولے گیا بدشگال
سنا بات راجا، ہنسا کھل کھلا ‏— کہیا میرے دل کا ٹٹیا وسوسا
کہیا اپنے لوگاں کوں، موں کھول بات ‏— گیا چوری کر، چور گوال ذات
سو گھر اس کے مقبول یک نار ہے ‏— بہت دن سوں اس پر مرا پیار ہے
پڑے ہات میرے جو او ماہ تاب ‏— نہ نس کوں غروب ہوئے او آفتاب

---

۱ زیادہ ۲ متاع ۳ جتنا ۴ اتنا ۵ عروس ۶ نوشہ، دُلھا ۷ کہا ۸ بیوی ۹ وہ ۱۰ اہل صدق ۱۱ ناری کی جمع ۱۲ چھتر رکھنے والی، ملکہ ۱۳ خواص ۱۴ شوہر کی وفادار ۱۵ نہیں ۱۶ طرح ۱۷ سے ۱۸ ابھی ۱۹ مزید ۲۰ کندھے ۲۱ سر پر باندھنے کا معمولی کپڑا ۲۲ کمر کے ارد گرد ۲۳ کس لیے ۲۴ بستر ۲۵ کیا ہے ۲۶ پر ۲۷ جان ۲۸ پختہ ارادہ ۲۹ جھٹ پٹ ۳۰ دنیا ۳۱ ہوا ۳۲ باخبر ۳۳ معلوم ۳۴ ڈھیٹ، بے حیا ۳۵ ٹوٹا، بھاتا رہا ۳۶ منھ ۳۷ پڑے۔

کیا خبرداراں کوں کٹنی کوں لیاؤ
دھنڈو جا کے یک خوب کٹنی کوں پاؤ

چتے خبرداراں روانا ہوئے
چلے دھونڈ لینے کوں زمیں کے کوئے

لے کر آئے ہزاروں میں سوں یک چٹنی
او قحبہ بڑی یک بڈی کٹنی

40 الیا بیا کے مینا کوں توں دے منجے
بہت مال بخشش کروں گا تجے

او محبوب اچپل عجب نار ہے
اسی پر مرا لو بڑا پیار ہے

چلی، ہور بولی یو کٹنی جواب
بڑے ٹھگ پھندا میں سو میرا ہے داب

پری دیو، شیطاں میرے نوکر
بنگالے میں ہوتا ہے میرا سحر

مکر، سحر جادو مرے ہات میں
پھرے سب موکل مری بات میں

نہنا کام یو نا کروں تو چونڈا
سٹوں گی تحرت اپنے تے مونڈا

یو سن کر اپیں شاہ تشریف دیا
لکک بے بہا بسنت بخشش کیا

کیا سن توں یو بات منج پاس کا
دیا تج کوں فرصت میں چھے ماس کا

تلک آ کے کٹنی نے کیتی سلام
دی تعظیم اس کوں بلا نیک نام

کہی کٹنی مینا کوں، ماں ہوں تری
پچھی دو برس توں پیئی ہے مری

50 نہ تھا دودھ کچ بی تری مائی کوں
پلائی تھی ہیں دود تج جائی کوں

میں ہوں دائی تیری منجے پیار کر
تجے جانتی ہوں میں دلدار کر

یو سن بات مینا نے پاواں پڑی
دی، بیٹھنے اپنی بیٹھک پڑی

کہی، تج تے اے مائی محبت ہوا
تجے دیکھنے دل کو راحت ہوا

گیا چھوڑ ہمنا ہمارا پیا
گماتوں کیوں گئی تھی یکیلا جیا

نہ ماں بھائی بی کوئی منج سات ہے
نہ باندی نہ بردانہ کٹی ذات ہے

---

۱ کہا ۲ لے آؤ ۳ چاروں طرف ۴ بوڑھی کٹنی (تجربہ کار عورت) ۵ کہا ۶ مجھے ۷ شوخ
۸ (چھوٹا کام ملنے پر) جل کر بولی ۹ پھندے باز ۱۰ رعب داب ۱۱ نوکر ۱۲ چھوٹا ۱۳ سر کے بال ۱۴ پھینک دوں گی۔
۱۵ فوراً ۱۶ منڈوا ۱۷ کتنا ہی ۱۸ اشیا ۱۹ کہا ۲۰ ماہ ۲۱ پاس ۲۲ کی ۲۳ دودھ ۲۴ دودھ
۲۵ ماں ۲۶ تولد ۲۷ پاؤں پڑی ۲۸ دی ۲۹ نوازی چوکی ۳۰ ہم کو ۳۱ وقت گزاروں
۳۲ اکیلی جان ۳۳ بہن ۳۴ خادمہ ۳۵ رشتہ دار۔

یکلی[1] ہوں میں اس وطن میں غریب ۔۔۔ کرم توں کری تو رہے منج نصیب

بز[2] اتی[3] دوتی بولی، اے بیٹی مری ۔۔۔ مرا جیو قربان تج پر کری

میں آتے وقت یو سنی بات[4] میں ۔۔۔ کہیا یک[5] جنا شہر کے ہاٹ میں

مرا آشنا تھا، کہیا یو خبر ۔۔۔ لے چنداکوں لورک گیا ٹھاٹ[6] کر

60 سنی سو گیا سب سینا پھوٹ کر ۔۔۔ فکر سوں کلیجا پڑیا توٹ[7] کر

کہوں کیا میں لورک دیا تج کو دوک[8] ۔۔۔ اپیں[9] مل کے چنداسوں پاتا ہے سوک[10]

کیسے بھاگ تیرے ہوئے واہ وا ۔۔۔ پڑیا بخت تیرے او سانڈی گوا[11]

کہی ہور رونے لگی زار زار ۔۔۔ نصیبوں کوں مینا کے جل آہ مار

دیکھی حال مینا سو ناتاب کیا، ۔۔۔ اپیں بی[12] ذرا آنکھ[13] میں آب[14] کیا

کہی، مائی غم چھوڑ دے اب تمام ۔۔۔ اتا پند دے کچ[15] توں سکلا[16] فہام[17]

دنیا میں بڑی توں جو ہمنا جنی[18] ۔۔۔ دوجا[19] بیو لورک ہے سر پر دھنی

نکو[20] بول لورک کوں ہرگز اناں[21] ۔۔۔ دکھونا[22] مرا جل ہوا پائمال

جد[23] ہاں تے گیا چھوڑ او خوش کلام ۔۔۔ تدھاں[24] تے کیا گھر میں برہا[25] مقام

خدا نے کیا ہم کوں عورت مرد ۔۔۔ تو ہونا ہمیں اس کے پگ[26] کی گرد

70 جو کچ[27] ان کیا سو اسے ماف[28] ہے ۔۔۔ الہٰی کے نزدیک انصاف ہے

میں عورت ہوں اس کی وو[29] میرا سجن ۔۔۔ سلامت رہے مرد گلشن چمن

سنی بات دوتی، کہی اے نھنی[30] ۔۔۔ کھل روپ کی توں چھبیلی بنی[31]

تری عمر پندرا برس دن[32] کے ۔۔۔ کہوں کیا، ترے دیس[33] کم سین[34] کے

جوانی تری دیک[35] کر بارے بار ۔۔۔ ترڑپتا مرا جیو رنت[36] بے قرار

یو ہنگام تیرا ہے آنند[37] کا ۔۔۔ جو کھانے پینے[38] ذوق کی چھند کا

---

[1] اکیلی [2] بعد ازاں [3] راہ [4] ایک آدمی [5] بھگا کر [6] ٹوٹ [7] دکھ [8] آپ [9] سکھ [10] گوالا [11] بھی [12] آنکھ [13] آنسو [14] سکھلا [15] فہم دار [16] پیدا کیا [17] دوسرا [18] مت [19] اس طرح [20] دل [21] جب [22] تب سے [23] فراق [24] پاؤں [25] کچھ [26] معاف [27] وہ [28] کم سن [29] دلھن [30] دن [31] دن [32] کم سن [33] دیکھ [34] لگاتار [35] خوشی [36] پینے

تجے میں کتی ہوں نصیحت کی بات   تج ہنگام ٹلتا ہے دن ہور رات
سدا توں آنند میں اچھے گی سُھنی   ترے گود میں ہے چندر جیوں، بنی
اتا میں رتن پارکھی لیاؤں گی   ترا جوہری روپ دکھلاؤں گی
ملادیئو گی تج کوں جانی چتور   پچھانے گی نہ توں دیک اپنے حضور
80 سُنی او سُلکھن جو ایسے بچن   لگے تیوں ہوا آگ سب اس کے تن
کہی میں بڑی کر کے سمجی تجے   جو پردیس کی ہے سنگاتی مجے
سو ایسے توں دینے لگی پند تو   اُٹھے دو جہاں ہیں بری گند بو
بڈھی سُن کتی ہوں تجے میں بچن   ستی اپنے سیرت کوں جور کھنا جتن
مٹھا جیب ہیں ہے تلک بے مثال   گیا حلق میں تو ہوا پائمال
حرص آدمی کا سمج اس وضا   یو جینا ہے دو دن نہ ہیو کی قضا
حرص کوں جلانا اپن ہات ہے   حیا کا کفن جیو کے سات ہے
کتی دیک لورک کوں توں گاودی   ہوئے بال اُجلے نکو کر بدی
نہ ہوئے گاودی، او چتر راج ہے   مرا پیو، میرا او سرتاج ہے
بڈھی سُن کر بولی نکو کر یہ بات   ستم ہو کے کرتی توں اپنے پہ گھات
90 کہی توں سُنی نیں اچھے کی بیاں   سُکی آپنا جیو تو سارا جہاں
پتا کیوں توں گوال پر من دھری   پتا کیوں ترا جان اُس پر کری
تو آخر ہے گندی جنم کھوئے گی   لرا کھا، برے گود میں سوئے گی
جو سوویں گی نزدیک اس شاہ کے   دِسے سُور جیوں گود میں ماہ کے
تجے کاں زری کسوتاں کی جھلک   تجے کاں او صدراں اور زربفت لگ
تجے کاں او صدراں سُنہری محل   جو تختاں مرصع کے ہیں بے بدل
کہاں تج کوں او مملکت مال زر   نہ سمجی ہے اجنوں توں اس کا قدر

---

۱ اتنا ۲ پرکھنے والا ۳ دل والا ۴ نیک سیرت ۵ سمجھی ۶ رغبت ۷ دلانا ۸ بدبو ۹ اے بڑھیا ۱۰ صدق ۱۱ حفاظت سے ۱۲ میٹھا ۱۳ زبان ۱۴ وضع ۱۵ اپنے ۱۶ زندگی ۱۷ سفید ۱۸ چھتر دھاری راجا ۱۹ ظلم ۲۰ سکھی ۲۱ اتنا ۲۲ نظر آئے ۲۳ سورج ۲۴ کہاں ۲۵ صدر کی جمع ۲۶ سنہری ۲۷ آج تک۔

تجے بولتے منج پکیا[1] ہے سُنا[2] — تو اَپ[3] بھادتی ہے تجے کیا کرنا[4]

سنگت نیک کا جاہلاں کو بڈھائے[5] — بُرے کی سنگت تے بُرا بول اٹے

سُنی ہوں کہ یک شہر کا شہریار — ملایا تھا درویش کی ایک نار

ہمیشہ منگے بھیک او در بدر — چڑھائیا[6] اسے پادشاہی صدر ۱۰۰

ولے بھیک کی اس کوں عادت اچھے — لے کر آکے روٹیاں پور روٹیاں رچے[7]

رکھے لاکے محراب میں یک سدا — منگے اس کنے[8] ہو ہمیشہ گدا

او کھاتی تھی الوان نعمت جتا — منگے باج اس بھیک راحت نہ تھا

وہی خصلتاں تج منے[9] آج ہیں — یو سُٹ[10] عادتاں، تج جنم راج[11] ہے

سُنی بات اس کی جو مینا سُندر — دیا جوش لو ہو کوں اٹھی بول کر

اتا سُن یو، نا چیز کُٹنی جھٹی[12] — کتی ہوں انا سُن تو بختاں پھٹی[13]

عجب کوچ کٹنی توں ہے بے دھرم — نہ رکھتی بھرم ہور لیتی شرم

دغا دینے منگتی ہے کُٹنی چھنال — ستی اپنے ست[14] کوں جو رکھنا سنبھال

اَپس داؤ ہو کر سو کرتی مکر — شکر میں زہر، ہور زہر میں شکر

منجے مال ہور بخت سوں کام کیا — منجے شاہ کے تخت سوں کام کیا ۱۱۰

نہ بھاوے منجے مال، کسوت بچمن — نہ بھاوے، منجے وو جلو راج دھن

توکل رکھی ہوں میں رحمان پر — وہی دینہارا[15] ہے ست[16] کا اجر[17]

کسے قرب ہے مال ہور جان کا — منجے قرب ہے پاک رحمان کا

مرے سر پہ سایہ ہے سبحان کا — منجے پُشت[18] ہے اپنے ایمان کا

---

[1] پک گیا [2] سینہ [3] خود سمجھ دار [4] کہنا [5] سرفراز کرے [6] چڑھایا [7] روٹیوں پر روٹیاں رکھے [8] کے پاس [9] میں [10] ترک کر [11] زندگی بھر راج کر [12] جھوٹی [13] بدبخت [14] سچائی [15] دینے والا [16] صدق [17] صلہ [18] پشت پناہی۔

صنعتی بیجاپوری

"قصۂ بے نظیر" دبستان بیجاپور کی دکنی زبان میں تخلیق ہونے والی ایک مثنوی ہے
اس مثنوی کا خالق "صنعتی" بیجاپور کا باشندہ عادل شاہی خاندان کے چھٹے حکمراں محمد عادل شاہ
(۱۰۶۷-۱۰۳۷ھ) کا ہمعصر تھا۔

یہ قصہ مابعد الطبعیاتی ارواح کی باہمی کشاکش اور اہلِ زمین کی بصارت، بشارت اور
جرأت آمیز اعمال کی بنیاد پر قایم کیا گیا ہے۔ اس تصنیف میں اصل قصّے سے پہلے
دے اشعار پر محیط حمد، ۷۶ اشعار پر مشتمل نعت، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مدح کے
۱۰ شعر، تعریف سخن پر ۵۸ شعر اور شاہِ وقت محمد عادل شاہ کی مدح میں ۵۰ اشعار
کے علاوہ قصّے کی تالیف کے سبب کی وضاحت میں ۳۶ شعر درج ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ
دعائیہ اشعار ہیں۔ اس طرح قصّے کی ابتدا سے قبل چار سو شعر ملتے ہیں۔ اصل قصّے کے
اشعار کی تعداد ۱۲۱۵ ہے۔

صنعتی نے پورے قصّے کو بارہ فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ لیکن قصّے کو مذہبی اہمیت
دینے کے خیال سے وہ فصل کے بجائے "مقام" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ یہ مقام غالباً
بارہ اماموں کی رعایت کے پیش نظر مقرر کیے گئے ہیں۔ ان بارہ مقاموں میں ان مہمات کا
بیان ملتا ہے۔ جو قصے کے ہیرو کو در پیش آتی ہیں۔

قصۂ بے نظیر کے ہیرو کا نام تمیم انصاری ہے۔ لہٰذا صنعتی کے اس قصے کی شہرت
بھی "قصہ تمیم انصاری" کے نام سے ہوتی رہی تھی۔ چوں کہ صنعتی کے اس قصّے کو بہت مقبولیت
حاصل ہوگئی تھی لہٰذا دکن کے کئی شاعروں اور ادیبوں نے اس قصّے کی بازگوئی کی۔ اور
"قصہ تمیم انصاری" کے عنوان کو اپنی تالیفات میں بر قرار رکھا۔ لہٰذا صنعتی کی مثنوی کا نام
"قصۂ بے نظیر" کر دیا گیا۔

"قصۂ تمیم انصاری" کے نام سے دستیاب ہونے والی تین تالیفات کا

پروفیسر عبدالقادر سروری نے ذکر کیا ہے۔

۱۔ قصۂ تمیم انصاری (۱۰۰۵ھ)۔ مصنف کا نام ماتجنیا کنتر تھا۔ اس تالیف کا ایک مخطوطہ سالار جنگ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

۲۔ "قصۂ تمیم انصاری" مؤلفہ سید محی الدین قادری بن سید شاہ شمس الدین قادری گنگوہی کا مخطوطہ بھی سالار جنگ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ یہ تصنیف نثر میں ہے۔

۳۔ "قصۂ تمیم انصاری" مؤلفہ غلام رسول خلافی ساکن کھمبایت ہے۔ یہ منظوم (۱۲۳۸ھ) میں تصنیف کیا گیا تھا۔ جسے حسین مرزا بیگ سیلز بمبئی نے شائع کیا تھا۔ اس مطبوعہ قصے کی ایک جلد پروفیسر عبدالقادر سروری کے کتب خانہ میں موجود تھی۔ بقول پروفیسر سروری: خلافی کوئی بڑا شاعر نہیں تھا۔ دونوں قصوں کا خاکہ ایک ہی ہے۔ لیکن جزئیات میں دونوں مختلف ہیں۔[1]

قصۂ بے نظیر کے مصنف صنعتی کے حالاتِ زندگی پر روشنی نہیں پڑتی۔ کسی تذکرے میں اس کا حال درج نہیں ہے۔ اس کی تصنیف کردہ مثنوی سے بھی صرف اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ اس کا تخلص صنعتی تھا اور اس مثنوی کا سن تصنیف ۱۰۵۵ھ ہے۔

ہزار یک پر سال پنجاہ و پنج
ہوئے تب ، ہوا پر جواہر یو گنج

صنعتی نے اپنی تخلیق میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ اس میں فارسی اور سنسکرت کے الفاظ زیادہ نہ آنے پائیں۔ اس کے برعکس اپنے عزیزوں کی خواہش کے مطابق اس نے دکنی زبان کی سیپی میں موتی بھر دیے ہیں۔

اسے فارسی بولنا شوق تھا ۔۔۔ ولے کئی عزیزاں کوں یوں ذوق تھا
کہ دکھنی زباں سوں اسے بولنا ۔۔۔ جو سیپی تے موتی نمن رولنا
رکھیا کم سنسکرت کے اس میں بول ۔۔۔ ادک بولنے نے رکھیا ہوں انمول

---

[1] قصۂ بے نظیر پروفیسر عبدالقادر سروری ، مقدمہ صفحہ ۱۰۔

انتخاب

مثنوی قصۂ بے نظیر

مقام نہم

بمعانی کا رضوان لیا تھا بہار ‏ ‏ ‏ ‏ لطافت سوں اس حور کوں یوں سنوار

جو بولے تمیم انصاری سکل[1] ‏ ‏ ‏ ‏ مقامِ نہم اس وضع بے بدل

کہ آیا میں جب اس محلاں[2] تے بھار[3] ‏ ‏ ‏ ‏ رکھیا باٹ[4] پر تب قدم استوار

چلیا دک[5] میں رک[6] دلمیں آلودہ میں ‏ ‏ ‏ ‏ جنگل پر جنگل کوہ پر کوہ میں

اکیک روز بعد از ہوا ج گذر ‏ ‏ ‏ ‏ یکائیک یک سبز صحرا اپر

دسیا[7] مجکوں صحرا میں واں یک محل ‏ ‏ ‏ ‏ جو تھا خوش نمائی منے[8] بے بدل

کیا جب محل پر نظر سو بسو ‏ ‏ ‏ ‏ دیکھیا اس پو[9] یک دختر خوب رو

دسی[10] یوں بلند اس چھجے کے اوپر ‏ ‏ ‏ ‏ کہ جوں آسماں پر پنم کا چندر[11]

انتی[12] سیس[13] تے نکھ[14] تلک جوں پری ‏ ‏ ‏ ‏ دے کاں[15] پری میں یتی[16] دلبری

او[17] دختر مجے دیک[18] اتری تلار[19] ‏ ‏ ‏ ‏ 15 ‏ ‏ ‏ ‏ مرا ناؤں لے مجکوں بولی پکار

کہ آو و تمیم انصاری ادھر ‏ ‏ ‏ ‏ مجے تجکوں یک پوچھنا ہے خبر

کہ او[20] دیو تجکوں لجایا[21] اتھا ‏ ‏ ‏ ‏ ہوس خام دل میں پکایا اتھا

سلیماں کی رکھ[22] سلطنت پر ہوس ‏ ‏ ‏ ‏ لجایا[23] تھا تمنا[24] کوں ہمراہ اپس

سچ بول واں جو لجایا تجے ‏ ‏ ‏ ‏ ہوا کیا اسے سو خبر دے مجے

جب اس بھانت[25] سوں یوں پچھی[26] مجے[27] بیاں ‏ ‏ ‏ ‏ میں دیکھیا سو قصہ کہا سب عیاں

سنی جب سلیمان کے تخت تل[28] ‏ ‏ ‏ ‏ دیا جیو[29] انے اس انگوٹی بدل

---

1. مکمل۔ 2. محل کی جمع۔ 3. باہر۔ 4. راستہ 5. دُکھ۔ 6. رکھ۔ 7. نظر آیا
8. میں۔ 9. پر۔ 10. نظر آئی۔ 11. ماہِ کامل۔ 12. تھی۔ 13. سر۔ 14. ناخن
15. کہاں۔ 16. اتنی۔ 17. وہ۔ 18. دیکھ۔ 19. نیچے۔ 20. وہ۔ 21. لے جاتا تھا۔ 22. رکھ۔ 23. لے گیا
24. تم کو۔ 25. طرح۔ 26. پوچھی۔ 27. مجھ سے۔ 28. نیچے۔ 29. جان۔

کہی تب کہ کئی[1] بار کئی دھات[2] سُوں
منع کی تھی میں اُسکوں اس بات[3] سوں

کہ مہتر سلیماں ہیں حق کے رسول
نکو جا مری بات کر توں قبول

مری بات نا سنکو شوخی سنگات
گیا ہور کیا او اپس جیو پو گھات

20 بزرگاں سُوں چلتا جو کئی[4] بے وضا[5]
سو در حال پاتا ہے اپنی سزا

جو کوئی آسماں پر اوڑاتا[6] ہے خاک
وہی خاک سر پر ہو بے شک ہلاک

توں حد تے نہ رک[7] بھار[8] اپنا قدم
اپس دل کوں سکلا[9] ادب دم بدم

جو کئی[10] اپنے دل سوں خبردار نیں[11]
کسی کے کہے سُوں ادب دار نیں

اپس کوں اپی[12] جن سکایا[13] ادب
وہی جگ میں ہے خاص مقبول رب

کہی جب او دلبر تے باتاں سنوار
کیا اس پو[14] بیں آفریں بے شمار

بزاں اس کوں پوچھیا[15] کہ اے نیک فال
مرا ناؤں توں کیوں پچھانی[16] اتال

لطافت سُوں یوں تب کہی مجے جواب
کہ توریت کی میں پڑی ہوں کتاب

کہ دیکھی ہوں توریت میں یو خبر
کہ انسان کا یاں نہ ہوئے گذر

محمدؐ نبی کا مگر ایک یار
جو اس ناؤں اچھے گا تمیم انصار

30 اسی شخص کا ہوئے گا یاں گذر
نہ کرسے[17] گذر کوئی دسرا[18] بشر

موافق خبر کے پچھانی تجے
اتا ئیک[19] تج سُوں عرض ہے مجے

کہ توریت ہے حق تعالیٰ کی بات
محمدؐ کی دیکھی ہوں اس میں صفات

محمدؐ نبی سرورِ سروراں
حبیبِ خدا۔ ختمِ پیغمبراں

نبی سب ستارے ہیں او آفتاب
دو عالم کوں ہے ان سُوں پُر نور تاب

سگل[20] انبیا کے او سرتاج ہے
کہ جس کوں شرف حق تے معراج ہے

محمدؐ کوں ہے سب نبیاں[21] پر شرف
اس امت کوں سب امتاں پر شرف

میں آنے جو منگتی ہوں اس دین میں،
کہ جل[22] پر نہیں بات کچ[23] مین میں

---

[1] کئی۔ [2] طرح [3] بر وزن منا۔ [4] کوئی۔ [5] وضع۔ [6] اڑاتا۔ [7] رکھ۔ [8] باہر
[9] سکھلا۔ [10] کوئی۔ [11] نہیں۔ [12] آپ۔ [13] سکھایا۔ [14] پر۔ [15] تلفظ: پچھیا یعنی پوچھا۔
[16] پہچانا۔ [17] نہ کر سکے [18] دوسرا۔ [19] اتنی سی ایک [20] سارے۔ [21] نبی کی جمع۔ [22] پانی۔ [23] مچھلی

کہ کلمۂ شہادت سکاؤ[1] مجے ‏ ‏ سو اس دین کی رہ دکھاؤ مجے

سعادت منے[2] راست پایا اسے ‏ ‏ کہ کلمۂ شہادت سکایا[3] اسے

40 جب اُس دل میں روشن ہوا یو چراغ ‏ ‏ دل اس کا خوشی سوں ہوا باغ باغ

بزاں اس کو بولیا کہ اے سیم بر ‏ ‏ توں یاں آئی ہے کیوں سوجھ دے خبر

کہی میں ہوں یک دختر بادشاہ ‏ ‏ کہ تھا صاحب تخت و تاج و کلاہ

جسے خیل لشکر اتھا بے شمار ‏ ‏ اتھے حکم تل[4] اس کے کئی شہریار

مری ماں اتھی بھوت[5] صاحب جمال ‏ ‏ نہ تھی حسن میں کوئی اس کی مثال

مری[6] ماں کے میں پیٹ میں جب اتھی ‏ ‏ جو یو دیو پڑ فلتنہ و لعنتی

ہوا عاشق اس کا... جو دیکھیا جمال ‏ ‏ اُڑا کر اسے لیا[7] رکھیا یاں سنبھال

سو میں پانچ[8] پنچی[9] ہوں اے نیک ذات ‏ ‏ مری ماں کتیک[10] دیس کوں ہوی وفات

رکھیا مجے کوں او دیو جیوتے جتن ‏ ‏ سو پالیا اُنے مجے کوں دختر نمن

جتے[11] دیو یاں کے جو تیز و چبل ‏ ‏ دیا سب کوں کر زیر مجے حکم تل

50 بزاں سب یو قصہ مجے بول کر ‏ ‏ چلی لیکو[12] مجے اس محل کے اُپر

دکھی مجے کتیک[13] روز او نیک نام ‏ ‏ سو مہماں نوازی بجا لیا تمام

ہوا مست اُس پیار کے جام سوں ‏ ‏ رہیا واں کتیک روز آرام سوں

کتیک[14] دن ہوئے بعد ازاں ایک روز ‏ ‏ کہا اس کوں اے دختر دل فروز

خبر لے آتا کچ[15] مرے حال تے ‏ ‏ کہ چھوڑیا ہوں گھر دار کئی سال تے

جتی[16] بات[17] چلتا ہوں میں قصد کر ‏ ‏ نہ پاتا ہوں میرے[18] وطن کی خبر

مرا دل اَدِک[19] غم سوں پامال ہے ‏ ‏ یک ایک[20] روز مجے پر کتیک سال ہے

سنی جب مرے حال کی یو خبر ‏ ‏ انجھو[21] میگ[22] برسائی مجے حال پر

کہی تب دلاسے سوں خوشحال اچ ‏ ‏ نکو توں اتا غم سوں پامال اچ[23]

---

۱ سکھاؤ ۔ ۲ میں ۔ ۳ سکھایا ۔ ۴ نیچے ۔ ۵ بہت ۔ ۶ اپنی ۔ ۷ لاکر ۔ ۸ یہاں ہی ۹ پیدا ہوئی ۔ ۱۰ کتنے ہی دن ۔ ۱۱ جتنے ۔ ۱۲ لے کر ۔ ۱۳ کتنے ہی ۔ ۱۴ تلفظ کتک یعنی کتنے ہی ۱۵ کچھ ۔ ۱۶ جتنی ۔ ۱۷ راستہ ۔ ۱۸ اپنے ۔ ۱۹ زیادہ ۔ ۲۰ تلفظ : اک اک ، ۲۱ آنسو ۔ ۲۲ بادل ۲۳ رہ

تمرے گھر کوں دو سو برس کی ہے باٹ — توں بے غم ہو، اب دل نکو کر اُچاٹ

کہ ایسے ہیں دیواں[1] مرے بل[2] منے — جو اُنبڑا ایں تجے گھر کوں یک پل منے

یتّی[3] دور سن باٹ بے اختیار — مرا حال غم سوں ہوا زار زار

سو فی الحال مجے حال یو دیک[4] کر — کری حاضر یک دیو چالاک تر

کری اس کوں تاکید تب بے حساب — کر اُنبڑا[5] مدینہ کوں انکوں شتاب

نکو کر توں اس بات میں کچ[6] درنگ[7] — شتابی[8] سوں جا جیوں پرندہ ترنگ

کہا دیو او باٹ بی[9] دور ہے — یوں[10] جاں (جہاں) شتابی سوں معذور ہے

سو ہفتے میں یک واں تلک جاؤں گا — اِنو کوں سو اُنبڑا کو پھر آؤں گا

بزاں لطف ہور پیار سوں اونگار — کری مجے کوں اس دیو اوپر سوار

مجے لے اُڑیا واتے او بدخصال — ہوا میں جو یک تند بارے[11] مثال

سو گئی دور لگ جا[12] کو او بدگہر — کیا قصد میری ہلاکی اوپر

مج انگشت میں تھی او انگشتری 70 — دعا مجے سکائی[13] تھی او پیر پری

یو دو چیز کام آئے اس وقت پر — تو او دیو نئیں دے سکیا مجے ضرر

و لے لے چلیا اس دریا کے رخن — کر جاں جہاز[14] پھٹ کر ڈبے بھوت تن

مجے ایک تختے پو پروردگار — نکالیا اتھا اس سمندر تے بھار[15]

رہیا[16] آکو آخر اسی کوہ پر — کہ کشتی پھٹی تھی جسے بیٹھ کر

سو اس کوہ دریا کوں میں دیک[17] سب — کہا دل میں یا رب بتا[18] ملک سب

پھر اکر قضا مج کوں لیائی ہے یاں — لکھیا کچ مرا مجے نہ دستا عیاں

سو القصہ اس غم سوں ہو زار ناک — کہا اس نکو کر توں مجے کوں ہلاک

مرے گھر کوں لے چل مجے یک زسنگ — توں اس کوہ پر کے کیا ہے درنگ

یو سن مکر[20] سوں یوں دیا مجے جواب — کر سکتا ہوں میں یاں تے جانے شتاب

---

١ دیو کی جمع۔ ٢ زور نہیں۔ ٣ تلفظ اِتّی بمعنی اتنی۔ ٤ دیکھ۔ ٥ پہنچا۔ ٦ کچھ۔ ٧ دیر ٨ جلدی۔ ٩ بھی۔ ١٠ تھا۔ ١١ ہوا۔ ١٢ جاکر۔ ١٣ سکھائی۔ ١٤ جہاز۔ ١٥ باہر۔ ١٦ رہا ١٧ کر۔ ١٨ دیکھ۔ ١٩ آتا۔ ٢٠ ریا اور فریب

ولے یک قوی سخت دیو عظیم 80 سو اس کوہ کے سیس[1] پر ہے مقیم

مجے ہور تجے دیک[2] او ہولناک مجے ہور تجے مل کریگا ہلاک

دوجی[3] باٹ بھی نیں جو اس باٹ جاؤں بڑی فکر ہے یاں تے کیوں باٹ پاؤں

یو سن بات پوچھیا اسے میں شتاب جو کرنا اتا کیا سو دے مجے جواب

کہا ہے انگوٹی[4] تجے انگشت میں سو دے ایک ساعت مرے مشت میں

جو تا اس انگوٹی کوں ہت[5] لے مگر کروں گا میں اس دیو پر تے گذر

ترے گھر کوں انپڑاوں گا تج سنبھال نہ کر فکر دے تک انگوٹی اتال

مرے گھر کوں جانے کی امید دھر دیا او انگوٹی اسے کاڑ[6] کر

انگوٹی چڑھی[7] دیو کے ہات جب دغا دیکو[8] مجے کوں گیا چھوڑ تب

لگی بید اول تے مجے کھڑ کھڑی جو کھویا عنایت کی انگشتری

تاسف سوں چھپایا[9] اپس ہات میں 90 کر اپنی دغا سوں ہوا مات میں

اسی بھانت سوں بے پشیماں ہوا ولے تب نہ تھا اس درد کوں دوا

چلیا جا روناچار دل سخت تر جو اپڑیا میں اس کوہ کی سیس[10] پر

دسیا مجے کوں اس کوہ پر ناگہاں عجب تخت یک سور[11] سازو فشاں

جو بیٹھا اتھا اس تخت کے اپر سو یک دیو بد شکل ناپاک تر

مکھ[12] اس کا سیاہی سمن تھا سیاہ او قوت میں تنہا اتھا یک سپاہ

جسے دست جوں شاخ یا بیخ سخت تناور اتھا جوں تناور درخت

اتھی سونڈ اسکوں ہتھی[13] کے سمن ہتی جس اگے[14] تھا بتی[15] کے سمن

شتابی سوں دوڑیا مجے دیک[16] کر کیا قصد میری ہلاکی اوپر

غضب سوں پکڑ مجے کوں او ناپکار ستیاواں[17] تے بھر کا ڈونگر تلار[18]

پڑیا میں دعا پیر پیری کی تب 100 سلامت رکھیا حق نے مجے اس سبب

---

1 چوٹی۔ 2 دیکھ۔ 3 دوسری۔ 4 انگوشھی۔ 5 ہاتھ۔ 6 نکال۔ 7 چڑھی۔ 8 دے کر
9 چھپایا۔ 10 چوٹی۔ 11 سورج کی طرح۔ 12 مکھ۔ 13 ہاتھی۔ 14 آگے۔ 15 روٹی کی بتی۔ 16 دیکھ
17 پھینکا 18 نیچے۔

بلندی میں اوکوہ تھا جوں اکاس[1] — پڑے پر نہ جیو[2] ہے نہ ہڈی نہ ماس[3]

ولیکن خدا تھا نگھبان مجے — دیا اس برکت سوں جیو دان مجے

بزاں ہو[4] کو کئی وقت کوں میں ہشیار — کیا واں تے تنہا سفر اختیار

سو کئی منزلاں لگ[5] نہ تھا مجکوں قوت — بجز ذکر حيِّ الذی لا یموت

بڑے[6] بھاگ حق جس کوں ساقی اچھے — نہیں ڈر جسے یو سنگاتی اچھے

اِتا ساقی اس رُوح کوں دے پراس[7] — اس آخر زمانے کے فتنیاں[8] کوں بال[9]

جو تا اسکی مستی سوں میں سانڈ کر 107 — سٹوں[10] غم کے دجال کوں باندکے[11]

---

۱ آکاش۔ ۲ جان۔ ۳ گوشت۔ ۴ ہوکر۔ ۵ تک۔ ۶ اچھی قسمت۔ ۷ سکون ۸ فتنہ کی جمع
۹ روندکر۔ ۱۰ پھینکوں ۱۱ باندھ کر۔

رستمی بیجاپوری

کمال خاں رستمی بیجاپوری نے دکنی زبان میں ایک رزمیہ مثنوی تصنیف کی تھی۔ جو حقیقت میں فارسی شاعر ابن حسام کی فارسی مثنوی "خاور نامہ" ۸۳۰ھ کا منظوم ترجمہ ہے جسے رستمی نے بیجاپور کے سلطان علی عادل شاہ کی والدہ خدیجہ سلطان شہر بانو کی فرمائش پر دکنی زبان میں تصنیف کیا تھا۔ رستمی کے لفظوں میں دکنی "خاور نامہ" کی تکمیل ۱۰۵۹ھ میں ہوئی تھی جسے شیخ چاند حسین نے مرتب کر کے ۱۹۶۸ء میں ترقی اردو بورڈ، کراچی سے شائع کیا۔

نبیؐ کی جو ہجرت تے کیتا خیال ہزار پو پچاس ہور نو کے تھے سال

رستمی کا "خاور نامہ" چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل رزمیہ مثنوی ہے یہ اردو کی سب سے ضخیم مثنوی کہی جا سکتا ہے بلاشبہ جس کے ہیرو حضرت علیؓ ہیں۔ یہ مثنوی قصۂ امیر حمزہ کی داستان سے مماثل ہے۔ رستمی کے متعلق اسی کے کلام اور بیان کے سوا جو "خاور نامہ" میں موجود ہے کسی دوسرے بیرونی ماخذ سے کوئی معلومات نہیں ملتیں۔ رستمی کے بیان کے مطابق اس کے والد اسمٰعیل خاں دبیر عادل شاہی دربار میں دبیری کے عہدے پر فائز تھے اور ان کو شاہی دربار سے خطاط خان کا خطاب حاصل ہوا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رستمی کی تعلیم و تربیت سلیقہ سے ہوئی ہوگی۔ چونکہ چھوٹی عمر ہی میں اس کو عربی و فارسی علوم پر کافی عبور حاصل ہو گیا تھا لہٰذا اس نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں۔ فارسی مثنوی "خاور نامہ" کا دکنی زبان میں منظوم ترجمہ کر دینا اس کی قادر الکلامی کا بیّن ثبوت ہے۔ اس مثنوی کے علاوہ رستمی کے قصائد غزلیات و مرثیے لکھنے کی روایت ملتی ہے۔

"خاورنامہ" کی ابتدا حمد سے ہوتی ہے اس کے بعد خدا کی قدرت کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ بعد ازاں نعت و منقبت ہے۔
"صفت مدینہ" کے تحت جو اشعار ہیں وہ بھی نعت ہی کا حصّہ ہے۔
خاورنامہ کا مخطوطہ صحیح حالت میں ملتا ہے۔ جو انڈیا آفس لندن میں موجود ہے۔
اس مثنوی کا مرکزی خیال بہ قول ممتاز حسین :۔

"خاورنامہ حضرت علی کے جنگی کارناموں کی خیالی داستانیں ہیں جن میں دیوؤں، جادوگروں، آدم خوروں اور مختلف ــــــ بادشاہوں کا تذکرہ ہے، یہ داستانیں داستان امیر حمزہ کے نمونے پر تصنیف کی گئی ہیں۔ رستمی کا ترجمہ بہت اچھا اور صحیح ہے اس کی زبان سادہ، سلیس اور زود فہم ہے۔ اشعار میں روانی ہے۔ مترجم نے ترجمے کو مشکل الفاظ سے بچایا ہے۔" (خاورنامہ صہ۱)

اُردو کے رزمیہ سرمایہ ادب میں خاورنامہ کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، ویسے اس مثنوی میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ بڑی حد تک فرضی ہیں مگر اس مثنوی کے ذریعہ اس دور کی زبان اور ادبی کا تحفظ ہو گیا ہے اور یہ ترجمہ کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس مثنوی کے بارے میں متوازن رائے رکھتے ہیں:۔

"۔۔۔۔ یہ تخلیقی اور شاعرانہ عمل مثنوی میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ اور رستمی کے ترجمے کو اُردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم مقام دیتا ہے، ترجمہ اتنا اچھا اور زوردار ہے کہ قدیم زبان و بیان کے معیار سے دیکھا جائے تو اصل معلوم ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے رستمی اس دور کا ایک بڑا نام ہے۔"
(تاریخ ادب اُردو صہ ۲۷۱)

مثنوی خاور نامہ

صفت مدینہ

جو مکے[2] ضرب روضہ اُس[1] محترم
او مکی[2] ہور[3] اس کوں[4] ہے یثرب[5] حرم
صَفا مروہ دائم ہے اس سعی تھی
یو حج عمرہ ہے رسم اس کا سبھی
دھرے[6] شرح، سرِ تاجِ شاہاں تہیں[7]
سزاوارِ یٰسین[8] و طٰہٰ تہیں
فلک ہے سو منڈپ[9] تری قدر کا
زمیں تخت، ہور فرش ہے صدر کا
ترے گھر کا پرواڑ[10] روح الامیں
کیا اُس اسی کام جاں آفریں
تُو[11] لولاک کے تاج کا تاجدار
تری باس تھے[12] خوش نسیم بہار
ترے شملے[13] تھے باس[14] پا کر شمال
نسیم صبا[15] کوں دیوے گوشمال[16]

---

[1] اس کا [2] مکے میں نازل ہونے والی آیتیں۔ [3] اور [4] کو [5] مدینہ کا قدیم نام [6] قایم کرنا [7] تمھیں کو [8] قرآن مجید کی دو سورتوں کے نام جو مکہ میں نازل ہوئی تھیں [9] سر پر کا سایہ [10] پروردہ [11] تو [12] خوشبو سے [13] طرّہ، عمامہ [14] خوشبو [15] صبح [16] کان کھینچنا۔

جو سنبل کوں تج باو[1] برہم کرے
سنبل باو کوں مشک کا دم بھرے
علَم نو ترا فتح عجم پر کیا
تجھ اِتنا فتحنا جداں[2] تھے[3] دِیا
تجھے فتح بر دشمن پو[4] ہے دِین کا
دعا کر عطا ہے تجھ آمین کا
توں ہے سرو، قامت ترا مستقیم[5]
ہمن[6] ہات[7] دامن پو[8] تجھ معتصِم
ترے مُکھ[9] تھے عالم کوں ہے بھی بہار
ترا قد ہے جوں سرو در لالہ زار
جو گیسو[10] تھے[11] تجھ باس[12] ہے مشک ناب
ترا مکھ تو ہے مطلعِ آفتاب
ترا لب سو چشمہ ہے آبِ حیات
خضر ہے سو[13] رکھوال[14] اس آب[15] سات[16]
جو او[17] بدگہر نے ہوا بد لگام
کیا لب تھے تجھ سنگ[18] کوں لعل فام
پتھر کیوں گہر کے برابر ہووے
پتھر بھی گہر کوں اگرچہ سیوے[19]
اَوّل آفرینش میں توں مقتدا
پس انبیا ہے وَلے پیشوا

---

[1] ہوا۔ [2] جد کی جمع بزرگوں۔ [3] سے۔ [4] پر۔ [5] مستقیم۔ [6] ہمارے۔ [7] ہاتھ۔ [8] پر۔ [9] چہرہ۔ [10] بال۔ [11] سے۔ [12] خوشبو۔ [13] اس لیے۔ [14] نگہبان۔ رکھوالا۔ [15] آبِ حیات۔ [16] ساتھ۔ [17] وہ۔ [18] قیمتی پتھر۔ [19] جسم کی حدت دے کر تولید کا عمل پورا کرنا۔ جیسے پرندے اپنے انڈوں کو سیکنے کے بعد چوزے پیدا کرتے ہیں۔

توں موجود تھا تجُو[1] کہ آدم نہ تھا
توں پیدا ہوا جُو[1] کہ عالم نہ تھا
توں پیدا اَتھا[2] جو کہ کونین[3] نیں[4]
سِرا[5] پردۂ قاب و قوسین نیں
یو[6] سب آفرینش ہے تیرا طفیل
توں سرخیل، یو سب ہیں تیرا[7] چ خیل
توں آپی[8] حیاتی سوں[9] میں خاک ہوں
تجے[10] بندہ بی[11]، جیو[12] سوں[13] چالاک ہوں
مری ماٹی[14] پو[15] پانی ہو کر گزر
مُنجے[16] رکھ آپس[17] پانوں[18] کی ماٹی کر
جو نعلین[19] تجھ، تاج کر سر رکھوں
فلک تھے اپس[20] سیس اونچا کروں
اگر لطف کی توں کرے مجھ نظر
تو خورشید تھے بھوت[21] ہوئے مجھ قدر
جو دولت تری باٹ[22] دکھلائے مجھ
گدا ہوں، وَلے شاہی بی[23] آئے مجھ
توں ہے پادشاہ، مجھ گدا کوں نواز
قبول کر توں مجھ بے نوا کا نیاز
عجب نیں[25] ترے لطف تھے، اے کرام
جو عالم اُپر[26] لطف تیرا ہے عام

---

[1] جب [2] تھا [3] دنیا [4] نہیں [5] شاید دوسرا [6] یہ [7] تیرے ہی [8] آپ ہی [9] ادو [10] تیرا [11] بھی [12] دل [13] سے [14] مانی، خاک [15] پر [16] مجھے [17] اپنے [18] پاؤں [19] خاک [20] قدم [21] اپنا سر [22] بہت [23] راستہ شریعت [24] بھی [25] نہیں [26] اوپر۔

20

عقل کوں[1] تو اِس بات زہرہ نیں
نہیں ہوتا ہوں جو مجھ بہرہ[2] نیں
ترے لطف سوں[3]، اے نبیِ خدا
نظر لطف کی کرکر[4] رحمت دِکھا
مُطیعاں[5] کوں تیرے[6] عمل خوب دے
عمل خوب عالم کوں مطلوب دے 30
بغیر از گنہ[7] مجھ کوں تو پیشہ[8] نیں
توں بخشا[9] نہار اہے، اندیشہ نیں
توں درگاہ میں اپنی، مجھ باٹ[10] دے
نظر لطف کی مجھ اُپر[11] توں رکھے
اگر توں قبولے[12]، غلامی کروں
ترے ناؤں سے نامہ[13] نامی کروں
مرا نام نامی یو[15] تجھ ناؤں سوں
بلند ناؤں ہونے سزاوار ہوں
ترے لطف تھے[16] میں اچھوں[17] نام دار
جو دولت ہے تجھ ناؤں[18] کا مجھ مدار
ترے ناؤں کا یاد بس ہے منجے[19]
ترا ناؤں سو ہم نفس ہے منجے 36

---

۱ کو ۲ علم ۳ سے ۴ کر کے ۵ مطیع کی جمع ۶ اپنے ۷ گناہ ۸ کام
۹ معاف کروانے والا ۱۰ راستہ، جگہ ۱۱ اوپر ۱۲ قبول کرے ۱۳ نام ۱۴ ناموری
۱۵ یہ ۱۶ سے ۱۷ ہو جاؤں ۱۸ مجھے ۱۹ ہر وقت کا ساتھی۔

آغازِ داستان

جوں خاور زمیں سب مسخر کیا • منگے[1] دل تیوں[2] اس کوں[3] تمام جا لیا

انتھا[4] ایک او[5] ماہ لشکر سنگات[6] آسودہ[7] کیا لشکر اور اپنی ذات

دکھیا[8] رات روشن[9] دلی سوں[10] بہ خواب جو روشن ہوا مشعلِ آفتاب

پیمبر آئے آشکارا وہاں تبسّم کیے آکر دیکھے عیاں

انو[11] بولے: "اے دیدیاں[12] کی روشنی دِوا[13] دل کا، ہور[14] نورِ چشمِ منی[15]

جو جاتا ہے تو قہرماں کوں بہ جنگ توں جا بیگ[16] ہور نا کر اس میں درنگ

گزر جاگا[17] لشکر جوں از آبِ شور وہاں تھے گزر کر بہ کوہِ بلور

سلیماں مرے تائیں[18] کچھ یادگار رکھے ہیں لیجا[19] کر دراں[20] کوہسار

توں اس تحفہ کوں لیا[21] کر دینا بہ ہمن[22] جو خوش ہوگا دل میرا اور انجمن"

ہوا جوں کہ ہشیار حیدر زخواب ۱۵ اُنے[23] چھڑکیا[24] دیدیاں تھے[25] مکھ[26] پر بی[27] آب

دوجے[28] دن اجِت[29] جوں کہ دکھلایا پہر[30] دنیا کیتا[31] روشن اُسی سوں سپہر

دیا پاچ[32] تھے جوں کہ یاقوت زرد دیا زر کا پانی[33] آ نے لاجورد

---

۱ مانگے ۲ ویسے ہی ۳ کو ۴ تھا ۵ وہ ۶ ہمراہ ۷ آسودہ ۸ دیکھا ۹ دلِ روشن ۱۰ سے
۱۱ وہ ۱۲ دیدہ بمعنی آنکھ کی جمع ۱۳ دِیا، چراغ ۱۴ اور ۱۵ آنکھ کی پتلی ۱۶ جلدی
۱۷ جائے گا ۱۸ لیے ۱۹ لے جاکر ۲۰ اندر ۲۱ لا ۲۲ من سے ۲۳ اُس نے ۲۴ چھڑکا
۲۵ سے ۲۶ چہرہ مکھ ۲۷ بھی ۲۸ تلفظ = دُجے بمعنی دوسرے ۲۹ جو جیتا نہ جا سکے، ناقابلِ تسخیر، سورج
۳۰ چہرہ ۳۱ کیا ۳۲ قیمتی پتھر ۳۳ آبِ زر

سنواریا اُسی وقت حیدر سپاہ — او آہن[1] کی پیٹا[2] قبا اور کلاہ

او گرداں سوں بولیا[3] کہ ہے آج کار — لریں دیکھیں کرتا ہے کیا روزگار

لجاتا[4] ہوں میں قہرِ ماں کوں سپاہ — اسی جاگے[5] کرتا ہوں دُنبال شاہ

تمام قہرِ ماں کوں بی[6] ہت[7] لیاوں گا — بد اندیش کوں جھگڑا دکھلاوں گا

اسی وقت او سعدیل کوں کھیا[8] — بد اندیش اس ٹھار[9] توں نیں[10] رہیا[11]

توں آسودہ اچھ[12] اندریں بوم و بر — زمانہ کیا لیاتا[13] ہے دیکھوں بسر

اگر آگا[14] دشمن بی[15] کچھ جنگ[16] سوں — تو کھولوں گا اُس کے اُپر[17] جنگ کوں

20 نگہ راکھ[18] توں شیر از بدگماں — جو میں جا کر آتا ہوں از قہر ماں

سپہ کوں جو لیایا[19] تھا او از عرب — دیا ان کوں سالار عالی نصب[20]

ولایت اُنے[21] سعد کوں سب دیا — وہاں تھے سپہ لے کر اپنی جلیا

سنواریا او کشتی جوں چشمِ خروس — او کشتی کے اُپرال[22] باندیا[23] بی کوس

وہاں تھے جندا کا لیا ناںو[24] اُن — چلیا[25] پانی میں چھوڑ کر ٹھانوں[26]

چلایا جوں کشتی او آب اندروں — گیا کشتی میں جوں کہ او از بروں

نگہبان کشتی کا دیکھ کر گزند — کھینچیا[27] باداں ایک اوپر بلند

دمامے کے ڈر سنے و آواز زنگ — ڈرے پانی میں نالہ کیتے[28] نہنگ

چلی رات دن یونچ[29] کشتی بی تیز — او دس دن کوں اُپنچی[30] بر رستخیز

جو دسویں[31] کو بادِ مخالف اُٹھیا — واں کشتی کوں ڈبنے[32] کا ڈر آگیا

---

۱ اپنے ملس سے ۲ پہننا ۳ بولا ۴ لے جاتا ۵ جگہ ۶ بھی ۷ ہاتھ ۸ کہا ۹ جگہ ۱۰ نہیں ۱۱ رہا ۱۲ رہ ۱۳ لانا ہے؛ دکھلاتا ہے ۱۴ آئے گا ۱۵ بھی ۱۶ جنگ کی نیت سے ۱۷ اوپر ۱۸ رکھ ۱۹ لایا ۲۰ نسب ۲۱ اس نے ۲۲ اوپر ۲۳ باندھا ۲۴ نام ۲۵ چلا ۲۶ مقام ۲۷ تلفظ: کھنچیا ۲۸ کیے ۲۹ یوں ہی ۳۰ پہنچی ۳۱ دسویں دن ۳۲ ڈوبنے۔

اُٹھیا یوں ہیچ واں موج بر روئے آب   30   جو ڈوبنے کوں کشتی، ہوئی واں شتاب
واں باٹ چھوڑ کشتی چلی ہے کدر   کئے غم تھے خوں نامداراں جگر
تمام دریا کے موں پر سب موج تھا   ہر یک موج دریا کا بر اوج تھا
واں پانی کا نعرہ، ہور آواز باد   تزلزل تمام دریا میانے نہاد
نگہبان لنگر کوں چھوڑیا درآب   جو ہونے منگی غرق کشتی درآب
طناب اس لنگر کی بی تکڑے ہوئی   پانی میانے کشتی تو چھکڑے کئی
ہوا کشتی میں اُس وقت یک خروش   نہ دل نامداراں کوں انپڑیا نہ ہوش
نگہبان کشتی کا رویا بی زار   اُنے کھایا اپنے اُپر زینہار
قضا جوں تلیں آیا از چرخِ پیر   نئیں ہے بغیر از رضا دست گیر
نئیں آرام تھا کشتی کوں، باد تھی   اسی وضع سُوں او ڈونگر کوں لگی
ماری باد کشتی کوں ڈونگر پر سخت   40   ہوئی کشتی اُس ٹھار پر لخت لخت
ڈُبیا درمیانی او سارا سپاہ   خبر کشتی کی ہوئی زماہی تا ماہ
ڈُبی کشتی او جا کر در رو دبار   اُپر آئے نئیں دس تھے یک برکنار
دلاور ہوا دیکھ دریا بےتاب   کر ہوئی عمر کی کشتی تو غرقِ آب
کھینچیا باد باں کوں اُتے تا بہ اوج   ڈریا نئیں او از جنبش باد و موج
کی کرتا ہے دریا کے میانے درنگ   جو غرقاب تھے کشتی بی آئی تنگ
کھیا رہنا اس ٹھار کار بدست   جو یو تنگ کشتی نہ جائے نشست
ابو المعجن ہور حیدرِ نامور   سٹے دریا کے موں اُپر، او سپر

---

۱ اٹھا ۲ یوں ہی ۳ ڈوبنے ۴ راستہ ۵ کدھر ۶ ۷ منہ، سطح
۸ مانگی، لگی ۹ ۱۰ بھی ۱۱ درمیان میں ۱۲ پہنچا ۱۳ اس نے
۱۴ اوپر ۱۵ نیچے ۱۶ نہیں ۱۷ پہاڑ، چٹان ۱۸ مقام ۱۹ ڈوبا ۲۰ وہ ۲۱ فرش تا عرش ۲۲ ڈوبی
۲۳ بےتاب ۲۴ کھینچا ۲۵ تلفظ = ڈرے + آ ۲۶ کیوں ۲۷ درمیان ۲۸ کیا ۲۹ اور ۳۰ پھینکے
۳۱ منہ، سطح ۳۲ اوپر، پر

سپر کوں[1] اُنو[2] کشتی کر کر کئے — آپس[3] جیو[4] تھے، سپر دل کوں کئے

سپہ پر جو حیدر دیکھیا ایسا کار — انجو[5] رویا پلکھاں[6] تھے[7] او[8] برکنار

او ارڑایا[9] اس ٹھار[10] با داغ و درد — رواں کیتا[11] او پھول پر آب زرد 60

اُنے کھایا یاراں کے جیو پر دریغ — دیدیاں[12] تھے ہو برسیا جانو کر میغ[13]

سپر ہر طرف جوں لجاتی[14] تھی یاد — سپہ دار لشکر کوں کرتا تھا یاد

اُسی وقت خضر نبی آئے واں — دریا میں آپس موں[15] کو دکھلائے واں

سپر کوں لئے ہات[16] میں او دروں — اُنے کاڑے[17] دریا تھے[18] آکر بروں

دریا تھے اُنو آئے جوں برکنار — پوچھے[19] خضر تھے حیدرِ نامدار

کہ یو[20] کون ہے ملک سو مجھ[21] کہو — مرے سات[22] اَے[23] بات کہہ کر چلو

اَے[24] کون اس شہر میں شہریار — سپہ اس کا دھرنا[25] اہے کیا شمار

بولے: "اے علی شیر ہے قہرماں — اتال[26] وقت جھگڑے[27] کا ہے بے گماں

جاناں[28] یاں تے ہے پنج فرسنگ دشت — جو دریا تھے اس ٹھار کرتا گذشت

دِکھے[29] گا واں یک شہر خرم بہار — تمام پانی، ہور[30] سبزہ، ہور مرغزار 60

جو اس شہر کوں شمنہ کہتے ہیں نام — بہت جاگے دھرتا پُر آب و گنام[31]

ہوا ہے وہاں خوش بہت دل پذیر — جوان ہوتا اس جاگے[32] جاتا جو پیر

دلیر ہے، ہنر مند، با آب و جاہ — لقب دھرتا او شاہ، ناہید شاہ

سپہ دھرتا ہے او بی[33] دو سو ہزار — او کرتا ہے فیلاں[34] ستی[35] کارزار

جزیرے اہیں تین سو بوم و بر — تمام[36] حکم میں دھرتا ہے تاج ور

خدا تج[37] کوں اس ٹھار بی یار اچھو — بُری آنکھ تھے تجھ نگہ دار اچھو" 66

---

۱ کو ۲ وہ ۳ اپنے ۴ جی ۵ آنسو ۶ پلک کی جمع ۷ سے ۸ وہ ۹ تلفظ: اڑآیا بمعنی بہ آوازِ بلند آہ و زاری کرنا ۱۰ جگہ ۱۱ کیا ۱۲ تلفظ: دِدیاں، دیدہ کی جمع، آنکھیں ۱۳ میگھ: ابر ۱۴ لے جاتی ۱۵ منہ، شکل ۱۶ ہاتھ ۱۷ نکالے ۱۸ سے ۱۹ تلفظ: پُچھے ۲۰ یہ ۲۱ مجھے ۲۲ ساتھ ۲۳ یہہ ۲۴ ہے ۲۵ رکھنا ۲۶ اب ۲۷ لڑائی ۲۸ جانا، تلفظ جنا ۲۹ نظر آئے ۳۰ اور ۳۱ گم نام ۳۲ جگہ ۳۳ بھی ۳۴ فیل کی جمع ۳۵ سے ۳۶ تلفظ: تمم ۳۷ تجھ

ابن نشاطی گولکنڈی

مثنوی پھول بن ابن نشاطی کا کارنامہ ہے۔ جسے اس نے تقریباً ۳ ماہ کی مسلسل محنت سے ماہ رمضان میں مکمل کیا جس کا ذکر اس نے مثنوی میں کیا ہے۔ یہ مثنوی ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک سے شائع ہوئی ہے۔ بہ قول اکبرالدین صدیقی "مجلس اشاعت دکنی مخطوطات نے پہلی بار ۱۹۳۷ء میں پھول بن کو شائع کیا۔ اس کی ترتیب وتدوین پروفیسر عبدالقادر سروری مرحوم نے کی تھی!۔ اس وقت مصنف کے حالات تاریکی میں تھے حتیٰ کہ اس کے نام سے بھی ادبی دنیا لاعلم تھی۔ اس لیے پروفیسر موصوف نے اپنے بسیط مقدمہ میں اس کے دور کے حالات اور اس کی شاعری کے تعلق سے اظہار خیال کیا اور مثنوی میں جو مواد اس کے متعلق ملا اس کو پیش کر دیا۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق کی فرمائش پر شیخ چاند ابن حسین نے انڈیا آفس کے نسخہ کو بنیاد بنا کر کتب خانہ انجمن ترقی اردو کراچی کے نسخوں سے مقابلہ کر کے اپنا نسخہ مدون کیا۔ جس کی اشاعت ۱۹۵۵ء میں پاکستان سے ہوئی اس نسخہ کی اشاعت سے ابن نشاطی اور ان کے والد کا پورا نام سامنے آگیا ہے۔ ابن نشاطی کا پورا نام شیخ المشائخ محمد مظہر ہے اور والد کا شیخ فخرالدین ہے۔ پھول بن ۱۰۶۶ھ میں لکھی گئی۔ تاریخ تصنیف کے تعین کی بنیاد مثنوی کا مندرجہ ذیل شعر ہے۔

انھا تاریخ تو لایا یہ گلزار اگیارہ سو کون کم تھے بلیس پر چار

بعض نسخوں میں بیس کی جگہ تیس لکھا ہے۔ اگر تیس صحیح مان لیا جاتے تو تاریخ تصنیفات ۱۰۶۶ھ ہوگا۔

تیسری بار یہ مثنوی ترقی اردو بیورو سے ۱۹۷۸ میں شائع ہوئی۔ اس کی ترتیب وتدوین کی ذمہ داری قدیم اردو کے ماہر پروفیسر اکبرالدین صدیقی نے نبھائی ہے۔ اور اپنے بسیط مقدمے کے ساتھ اسے شائع کروایا ہے۔ اس میں کل ۲۰۲۲ اشعار موجود ہیں۔ یہ انتخاب اسی نسخہ سے لیا گیا ہے۔

انتخاب

مثنوی پھول بن

صفا دار اُس کے دیکھ[1] ہر یک چمن میں
رکھیا ہوں ناانوں[2] اس کا "پھول بن" میں

اُتھا تاریخ تو لایا یہ گلزار
اگیارہ سو کوں کم تھے بیس پر چار[1076]

خدا کے پاس منگ ہمت بلندی
نزاکت سُوں کیا میں نقش بندی

لے استاداں کنے[3] تے معذرت منگ
کریا ویں[4] بولنے کا نظم آہنگ

کہاں کر نے سکت[5] مشکل کشائی
کروں بارے طبیعت آزمائی

صفت کنچن[6] پٹن کی ہے دھری جو گرد[7] بستی وو
سگل[8] روئے زمیں میں کیں نہ تھا اس شہر کا ثانی

جو کُئی[9] ہے باغباں اس "پھول بن" کا
چمن لایا ہے یوں تازہ سخن کا

کہتے[10] یک شہر مشرق کے کدن[11] تھا
کہ اس کا ناانوں سوں کنچن پٹن تھا

حصار اس کا تھا دریا کے کنارے
دسے[12] خندق ہو دریا تس[13] بندبارے[14]

کنچن کا خوب اسے جو گرد تھا کوٹ
کنچن پورہ کو اس کنچن کی تھی گوٹ[15] 10

کنچن کے تس اوپر تو پاں[16] زنبورے
کنچن برجاں[17] یو کنچن کے کنگورے

کنچن کے تھے کنگر، کنچن کی تھی گچ[19]
کنچن کوں گال باندے تھے کنچن برج

کنچن کے تھے محل، کنچن کی دیوار
کنچن پر بھیر کنچن لیپے تھے بر ٹھار

کنچن کے تس اوپر توپ ضرب زن
کنچن کے مغربیاں تھے ہور فلاخن

کنچن کی تھی زمین کنچن کے جھاڑاں
گھراں کنچن کے کنچن کے کواڑاں

جدھر دیکھے بی کنچن تھا کنچن تھا
اُسی تے نانو اُس "کنچن پٹن" تھا

یتے اونچے تھے اس گھر کے دیواراں
النگ[20] ناسک رہے تھے واں اچھالاں[21]

کدھیں باراجو[22] چڑھتے اس یو جاوے
ہوماند[23] ادم میں آ چڑنے نہ پاوے

---

۱ دیکھ ۲ نام ۳ کے پاس ۴ وہیں ۵ طاقت ۶ سونے کا شہر ۷ چاروں طرف
۸ ہودے ۹ کوئی ۱۰ کہتے ۱۱ طرف ۱۲ نظر آئے ۱۳ اس ۱۴ کنارے باڑا
۱۵ سونا ۱۶ کنارے ۱۷ توپ کی جمع ۱۸ برج کی جمع ۱۹ کانچ یا چونے کا فرش ۲۰ پھلانگ ۲۱ آہ دنالے۔
۲۲ ہوا ۔ ۲۳ تھک جاوے ۔

گگن کے تل[1] کیں[2] ایسا شہر نادر — نہیں دیکھے تھے انکھاں[3] کے مسافر
زمیں پر شہر بھی ایسا ہے گر کہیں — کسی کاناں[4] کے جاسوساں[5] نے نیں 20
عجب تاثیر تھا واں کی ہوا کا — سدا ہنگام تھا نشو و نما کا
سکی[6] لکڑی اگر کوئی لا کو گاڑے[7] — وو لکڑی سبز ہو شاخاں[8] کو کاڑے[9]
بکھیرے تو زمیں پر واں کے کانٹے — وو پھٹتے تھے ہو کر پھولاں[10] کے پھانٹے
محلاں میں چتر[11] اگر کئی[12] لکھاوے — چتر حرکت میں وو در حال آوے
وہاں چشمے مجے نکلے تھے زمین تے — مٹھائی ہیں مٹھے تھے انگیں تے
اگر یک قطرہ کئی اس نیر[13] کا لے — جو ازمانے[14] کے تیں دریا میں ڈالے
تو اس تاثیر نے سمدور کھارا[15] — عجب نیں تھا میٹھا ہوئے تو سارا
سدا خوش حال تھے سب لوگ واں کے — تھے خاطر جمع، واں کے ساکناں کے
ولاں کے آہواں سب کے سدا کال[16] — جفا کے تیر سوں تھے فارغ البال
جتا لیوے بی عشرت کم نہ تھا واں — اتھا سب کچھ ولے یک دُکھ[17] نہ تھا واں 30
عجب کچھ فیض تھا واں آسمانی — بڈے[18] پاتے تھے پھر تازہ جوانی
خوشی کا میگ اچھے جم واں برستا — اتھا اس دھات سوں وو شہر بستا

دیکھو اس شہر کے شہ میں اتھے نس[19] دن دو خاصیت
نکے آداب اسکندر دگر ادراک لقمانی

اتھا اس شہر کا اک نامور شاہ — سلکھن[20] سلطنت کے برج کا ماہ
شہاں ہیں جگ کے اس کوں سروری تھی — جگت کے سروراں میں برتری تھی
نہ تھا ثانی او سے روئے زمین پر — تھے اس کے حکم میں سب بحر و بر
جو کوئی آوے زمانے کے ستم سوں — سینے سوں لاوے[21] دل کے[22] تا دانس کوں
جو کئی ہو خار آوے شاہ کے گھر — تو گل کے نادر اس ہوئے پُر زر

---

[1] نیچے [2] کہیں [3] آنکھیں [4] کان کی جمع [5] جاسوس کی جمع [6] سوکھی [7] زمین میں لگائے [8] شاخ کی جمع [9] نکالے [10] نئی شاخیں [11] تصویر [12] کوئی [13] پانی [14] آزمانے [15] نمکین [16] ہر موسم میں [17] دکھ [18] بوڑھے [19] رات [20] اچھے گن والا مبارک [21] لگائے [22] مانند

سٹیا تھا ظلم کا شہ کھود بنیاد | دیوے نت دادخواہاں کا اپے داد
جو کٹی ہاتاں کی بیپیاں کوں پسارے | کرے مطلب کے پُر موتیاں دو سارے 40
لیا سو عدل کا نور آپنے ہات | نہ تھی اس دیس میں کیں ظلم کی بات
چرالیوے کدیں جو دھرت میں نیر | دھرت کوں کھود کھاڑے نیر کوں پھیر
جگت تھا باغ، شہ جوں باغباں تھا | ہمیشہ تازہ اس سوں سب جہاں تھا
جو کچھ دھرنا سو سب دھرتا اتھا دو | شہی اس دھات سوں کرتا اتھا دو

بیاں اوس ابر روشن کے ہر اوس درویش عارف کے
دیکھیا سپنے میں شہ اوس کوں محبت دل منے آنی

دیون ہارا خبر اس نو ابشر کا | کتا ہے بات سورج ہور چندر کا
بلندی ستے، سُرج پکڑیا جو پستی | کیا مغرب کے جا مسجد میں بستی
مشعل لے چاند کا دیں بچار آیا | مصلا جگ یو چندنی کا بچھایا
جو مغرب کی نشانیاں مکھ دکھائے | سو عالم نیند کے سجدے میں آئے
گویاں کے کنج پکڑے سب درندے | ہوے گوشہ نشیں سارے پرندے 50
ہوا حاصل جو راحت کا فراغت | بچھانے پر کیا شہ استراحت
لگی سو نیند سوں دو نین کھلنے | لگیاں پلکھاں سوں پلکھاں کھلنے ملنے
نین کے دو کنول مکھ موند لیتے | بھنور پتلیاں کے تس میں کونڈ لیتے
سو دیکھا خواب میں درویش کوں ایک | دنیا کے عاقبت اندیش کوں ایک
بے تن پر پیرہن اجلے جھبیلے، | کمر باندیا ہے یک باریک سیلے
بندیا ہے چھوڑ شملا، سر پہ دستار | عصا پکڑیا ہے یک رنگیں طرح دار
لیا ہے ہات میں اپنا مصلا | ریاضت سوں کیا ہے دل مصفا
اگرچہ لہو سوں تھا سب آنگ خالی | ولے سجدے کی تھی اس مکھ پہ لالی
کھڑا ہے آگے یوں دربار انگے وو | شہنشہ کے مبارک دار انگے وو

---

[1] خود [2] پھیلاوے [3] کہیں [4] دھرتی، زمین [5] پانی [6] نکالے [7] میں [8] دینے والا [9] آسمان [10] کہنا [11] پھینک [12] گوی کی جمع [13] بستر [14] لگ کی جمع۔ [15] پلک کی جمع [16] بند کر لیتے [17] اندر بند کر لینا، قید کر لینا۔ [18] تہہ بند۔

کھڑے اچھنے ہیں جوں ہریک گئی آ 60 رضا کی انتظاری سات گویا

بیان کردن بلبل پیشِ پادشاہ

بھلا ہے دکھ مرا کئی نا سنے تو اگن کے پھول میرے تاپنے تو

کیسے کوئی درد یو دل میں جو ہے بول زمین ہے سخت ہور اسماں ہے دور

وہی جانے یو دکھ جس پر گھڑیا ہووے جو کئی برشے ہے کے بچھا رے میں پڑیا ہوئے

پچھاڑیاں غم سوں کیوں کھاتا ہے دل وہی یو بوجھے گھڑیا ہے جس پر مشکل

نہ کئے جاتا نہ آتا ہے کئے میں نہ کئے میں فائدا نا چپ رہنے میں

ہریک تلتل ہو کر جیاتا ہوں پیلا برت میں نیں مرا چلتا ہے جیلا

کہوں یوں بات کیا میں جیب پر لیا کہے تو بات کس سوں فائدا کیا

نین بلبل کے غم سوں شاہ کر نم ایس کے دو کنول تے گالر شبنم

لیا اے غم کے بن کے درد کے جھاڑ ورنگ پر کام اپنا توں نکو پاڑ

شکر بن کھائے نیں ہوتا مِٹھا کام 70 نہیں پڑتا ہے سیج بے مشورت کام

مرے دِھر بول اپنے جیو کی بات کہ شاید کام تیرا ہووے منج بات

سنایا شہ انگے بلبل جو کچھ مطلب اتھا اپنا

دیکھیا سو عشق کی شدّت ہوا سو ردپ طرانی

دلاسا شاہ تے بلبل جو پایا زبان مطلب کے باتاں سوں اُچایا

لگیا کہنے اول گذرے سو باتاں برہ اس نین سوں کیتا سو گھاتاں

مرا تھا باپ سوداگر ختن کا نہ تھا پروا اسے کچھ مال و دھن کا

---

۱ رہتے ۲ کوئی ۳ کوئی ۴ آگ ۵ کہوں ۶ یہ ۷ جدائی ۸ کہا ۹ کہنے ۱۰ کہنے ۱۱ پل پل ۱۲ بیار ۱۳ زبان ۱۴ بکال ۱۵ آنسو ۱۶ کہا ۱۷ دیر تا خیر ۱۸ مت ۱۹ ڈال ۲۰ نہیں۔ ۲۱ پاس ۲۲ کھولا (اٹھایا) ۲۳ کرتا

بڑا تھا بھوت سب سوداگراں میں ‏ ‏ اتھا مشہور سالم بندراں میں

مناں سوں تھا ردپا گھنڈیاں سو سنا ‏ ‏ تھے لاکھاں اشرفیاں کروڑاں سوں گنا

قماشاں کے جدھر دیکھے بی لستے ‏ ‏ رچے تھے دو کاناں پر دو رستے

ہریک کالک کے ہریک کے اوپر مول ‏ ‏ رکھے تھے سب نمونے کے بدل کھول

حریر دبافت سالو ٹری صاف ‏ 80 ‏ مشجر، تاختہ، دارائے زربافت

مطبق، نیلک وسقلات و مخمل ‏ ‏ قلم کاریاں و چھینٹاں ہور ململ

پھمبر دار چھینٹاں ہور سوسیاں ‏ ‏ تھے شالاں خوب کشمیری دلوسیاں

یونا ہو کر بی سودے تھے دریائی ‏ ‏ بے جس میں فایدا بوڑی سوائی

نے چلتے تھے کشتیاں ہور کھڑے تھے ‏ ‏ دریا گرمی سوں سک کے گد گڑے تھے

بیتے اس قافلاں کے تھے سکیناں ‏ ‏ نڈھو سک تنگ آئے تھے زمیناں

ستم دو دن جو گاڑیا تھا گڑا وا ‏ ‏ پڑے تھے بندراں سالم پڑا دا

کدھیں سودا ئے کر جاوے عرب کا ‏ ‏ کدھیں شیشے کر جاوے حلب کا

کدھیں سودا لجاوے روم سوں شام ‏ ‏ کدھیں جاتا بنگالے پر تے آسام

کدھیں واسط سوں جاوے سفرائن ‏ ‏ کدھیں جاوے صفاہاں تے مداین

کدھیں تبریز تے شروان جاوے ‏ 90 ‏ کدھیں ہمدان سوں کاشان جاوے

کدھیں ارمن سوں جا منزل کرے طوس ‏ ‏ کدھیں اترے جو یک منزل اچھے اوس

کدھیں اچھنا مقام اس کا سراندیل ‏ ‏ کدھیں شیراز اچھنا ہور اردبیل

---

۱ بہت ۲ سبھی ۳ بندرگاہوں ۴ من کی جمع ۵ پیمانہ۔ ۲۰ من کی ایک کھنڈی۔ ۶ سونا ۷ ہن کی جمع ۸ سجائے ۹ دوکان کی جمع ۱۰ راستے ۱۱ انکھار ۱۲ قیمت ۱۳-۱۴-۱۵-۱۶-۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱ قیمتی کپڑوں کے نام ۲۲ بیل بوٹے والے کپڑے ۲۳ ایک قسم کا دھاریوں والا کپڑا (جس سے عورتیں بہت زیادہ گھیرے والا لہنگا بناتی ہیں) ۲۴ شال کی جمع ۲۵ یہ ۲۶ علاوہ ۲۷ سامان خرید و فروخت ۲۸ دریا ۲۹ ڈیڑھ گنا ۳۰ سوا گنا ۳۱ اتنے (زیادہ) ۳۲ سوکھ (خشک) ۳۳ نیم پانی ۳۴ ڈھ ۳۵ سکونت اختیار کرنے والے ۳۶ بوجھ اٹھانا ۳۷ بندرگاہ کی جمع ۳۸ پڑاو ۳۹ کبھی ۴۰ ...

وطن کر چند روز اچھتا ختن میں | کدھیں ڈکان کھولے جا یمن میں
کدھیں شیراز سوں جاتا دما وند | کدھیں جاتا بخارے سوں سمرقند
کدھیں کابل تے یہ لاہور جاتا | کدھیں مانڈو و کدھیں ماہور جاتا
تجارت کے بہت سوداگے سوں وو | گیا یک مرتبہ گجرات کوں وہ
اتھا ہیں اس سفر میں اس کے سنگات | انند ہور ذوق عشرت دن رات
مری اس وقت تھی اوّل جوانی | لوٹی اپڑی تھی مج کوں شادمانی
جوانی کے برس سو بیس لگ ہے | بندھے ہیں حد بڑے تا تیس لگ ہے
کہے ہیں با ضرورت تا چہل سال 100 | بڑیاں کرں ہے سچ پیلاڑ کا حال
اتھی اس بھاد پر زاہد کوں بیٹی | بڑی یک خوب گئی عابد کوں بیٹی
چتر، چنچل، سرگ، کنتل، سہانی | نہ اس کوں کوئی تھا صورت میں ثانی
بھوواں کوں کیوں کہوں محراب تھے کر | دو کماں ہے نورِ محراباں کے اوپر
چندر آدھا کہوں میں پیشانی | چندر آدھا نہیں ویسا نورانی
کہوں کیوں اس کے ہیں پلکھاں کوں تیراں | ہوئے نین کوئی تیراں کے اسیراں
نین کوں نرگساں کہنا ہے ناساز | چمن کے نرگساں میں کاں ہے وو ناز
نین نرگس کنے کا سو ہے زوری | کہاں ہے نرگساں میں لال ڈوری
کلی چنپے کی کر ناسک کوں بولیا | دے تشبیہ میں ناسک کوں بولیا
کہوں رخسار کوں کیوں اس کے لالا | ہر یک لالے کے درمیانی ہے کالا
ادھر کوں لعل تھے کر کیوں کہوں میں 110 | وو نرمی نازکی کس لال میں نیں
دسن کوں کیوں کہوں انار دانے | اٹھے اس پر دیوانے ہوکو دانے
تھڈی کے سار جگ میں سیب کاں ہے | یو اس بن عشق کا آسیب کاں ہے
کہوں جوبن کوں کیوں میں قبۂ نور | ہے قبے نور کے، اس پر، بلا دور

---

۱ سے ۲ سامان ۳ نئی۔ ۴ حاصل ہوئی تھی ۵ تک ۶ بھوں کی جمع ۷ وہ کہاں
۹ محراب کی جمع ۱۰ تیر کی جمع ۱۱ نہیں ۱۲ قیدی۔ اسیر کی جمع ۱۳ آنکھ ۱۴ ناک ۱۵ دانت
۱۶ عقل مند۔ داناگوں ۱۷ تھوڑی ۱۸ آنکھ ۱۹ کہاں۔

کتے پھل گیند نچ آتا ہے انمان
کروں گا پھول کے گیند اس پو قربان

کہاں ہے کرداں میں اس کے آثار
ستّوں میں کرداں کوں اس پو تے وار

کمر کوں کیوں کہوں میں اس کی شرزا
کمر کے سامنے شرزا ہے، ہرزا

سرد تھا کیوں کہوں میں اس کے قد کوں
انپڑتے کاں سکت اس قد کی حد کوں

میں سرتے پاؤں لگ اس موہنی کا
کرتھا یوں، کیا صفت کر سکوں گا

جو کوئی اس چال کو ہنس کر گیا ہے
ہنسو گرتس پہ ہنس ہنس کر گیا ہے

ہوس اس دیکھنے کاج کوں آیا
تماشے کوں مرا دل سر اچایا 120

جو یاد آتی اتھی وہ چلبلی منج
تو ہوتی تھی سینے میں گدگُلی منج

پیاری کا پرت پیارا لگیا سو
پرت کا ٹھنڈ ہور بارا لگیا سو

اوّل تھا حال نچ آخر ہوا ہور
پرت کی چٹ پٹی مجہ کوں لگی زور

لگے چشمے ہو کر نیناں ابلنے
لگیا جیوں شمع ہو کر جیو جلنے

گلی نمنے ہوا دل تنگ ناشاد
ہوا ٹکڑے گریباں پھول کے ناد

دھوئیں آہاں کے ہو سر پر بادل چھائے
گرم بھاپاں سوں ہوٹاں پو چھلے آئے

ضعیف ایسا ہوا اس درد سوں میں
اجل منج پیرہن میں ڈھنڈ سکے نیں

جو اس کوں، دیکھنے کا منجہ ہوا ذوق
جو آیا دل منے میرے اَبل شوق

ہر یک نس جاؤں اس دلہن کی گلی کوں
ہلو چھپ کر دیکھوں اس اچپلی کوں

سینے میں دم کوں اپنے سانڈ لے کر 130
کمر کوں اپنی دامن باند لے کر

نہ دیکھے کوئی تیوں آہستہ ڈگ ڈگ
چلوں اس کاند تھے اس کاند کوں لگ

یکیلا اوس گلی میں گئی نہ دوجا
چلوں میں چندنی کی دھوپ میں جا

کرادس چند بدن کے گھر طرف موں
ہر یک نس نین کے تارے بکھیروں

ہر یک شب غم سوں وہ مر جو اچھے جاں
دھوئیں سوں آہ کے باندوں کھلاواں

---

۱ کہنے ۲ گیند کا پھول ۳ قیاس، گمان ۴ مجھ ۵ کروڑوں ۶ کو ۷ جس طرح تھا ۸ کہاں ۹ اس
۱۰ آرزو خواہش ۱۱ اٹھایا ۱۲ چنچل ۱۳ ہوا ۱۴ آنکھیں ۱۵ مانند ۱۶ طرح مانند ۱۷ آہ
۱۸ دھواں ۱۹ بادل ۲۰ بھاپ ۲۱ ہونٹ ۲۲ آبلے ۲۳ دن ۲۴ محبوب ۲۵ آہستہ ۲۶ روک کر
۲۷ باندھ ۲۸ دیوار ۲۹ دائرے۔

کروں ہر شب نیں سوں آب پاشی / اساساں سوں کروں ہر دم فراشی

کیتک دن کے پچھے امید کا سور / مرے بختاں کے نیناں کوں دیا نور

نصیباں منجہ سوں جو آخر ہوے یار / مرے طالع کرایا، سورگ بار

یکایک جھانک کر دیکھی مجھے نار / مرے ہور اس کے دو دیدے ہوے چار

نظر کا باز اڑیا سو اب نہ رک سک / ہوا میں حسن کی اس کے رہا تھک

گیا سو دشٹ کا آہو نکل کر / 140 / پڑیا اس مکھ کے گلشن میں پھسل کر

اسے دیکھ عشق سوں میرا اچھلیا دل / ہمن دونو کے دل رہے نیک ہو مل

ہوی سو مہرباں آخر پری زاد / کروں جیوں یاد میں دو بی کرے یاد

کدھیں میں سر سوں چلتا جاؤں اس لک / کدھیں دو بی رکھے مجھ نین پر پگ

کدھیں میں اس کے جاتا تھا قدم گن / کدھیں میرا کرے گھر دو بی روشن

کدھیں انپڑاؤں میں اس گھر لجا کر / کدھیں انپڑاوے دو بھی منجہ گھر آ کر

کدھیں اس دھات سوں نس سب گذرتے / کدھیں جا پر رہتے لوگاں کے ڈرتے

کدھیں کئی نا سنے تیوں بات کرتے / ہلو باتاں اشارت سات کرتے

کدھیں دیکھ مسکیاں میں دونوں آتے / یکس کوں ایک نظراں میں چرا اتے

کدھیں دیکھیں یکس کا ایک دیدار / پسار انکھیاں پلک کوں نا پلک مار

بہر حال اس سند سوں مل ہمیں دو / 150 / محبت سوں رہے تھے ایک دل ہو

یکایک یو خبر زاہد کوں انپڑا ے / یوں اس کے ڈھیر جا چاڑی کوئی کھائے

نہیں کچ خوب چاڑی کا ہے چالا / ہے چاڑی خور کا موں جگ میں کالا

نہیں آتی ہے چاڑی خوش خدا کوں / نہیں بھاتی ہے چاڑی مصطفیٰ کوں

نہیں چاڑی علی کس تے قبولے / بزرگاں کوئی نیں چاڑی پو چھولے

لگیا زاہد خبر سن تلملانے / اپس میں آپ پچھاڑیاں غم سوں کھانے

---

[1] آہ [2] بعد [3] سورج [4] بخت قسمت [5] آنکھ [6] بہل گیا [7] ہم [8] بھی [9] تک، [10] پاؤں
[11] پاس [12] پہنچا [13] دن [14] لوگ کی جمع [15] کوئی [16] آہستہ [17] بات کی جمع [18] مسکراتے [19] نظر کی جمع [20] پھاڑ
[21] آنکھیں [22] پہنچائے [23] ادھر [24] چغلی۔

حیا پڑ کا اڑیا، کر حسن کو سرپوش　　ہوے اس ہوش کے طبقاں فراموش

لکھیا ہے سوا نپڑتا ہے ولیکن　　رہتا نیں جیو روۓ ہور نپے بِن

پڑیا سو شرم کا گوہر نکل کر　　دریا غیرت بھرا آیا اُبل کر

یے دیکھ آبرو جگ میں نصیباں　　اُچاۓ آبرو کی آگ جیباں

160　کہے ہیں جیو تے پیارا اہے شرم　　خدا سب کا رکھن ہارا اہے شرم

ہو رسب خلق کی کثرت سوں پنہا　　وو جا حجرے میں خلوت سوں تنہا

کھڑیا یک پاؤں پر ہو سرد کے دھات　　پسارا اپنے دو ہت جیوں داگ کے پات

منگیا صورت ہماری ہونے تبدیل　　منگیا صورت ہماری ہونے تبدیل

تھے رحمت کے کھلے اس دن کواڑ اں　　کھلے تھے فیض کے اس چھن کواڑاں

دعا جیوں تیر ہو، اس کی، سحر کی　　پسر نبیٔ ساتوں انبر کے گذر گئی

اجابت کے نشانے پر لگی سو　　قبولیت کے شانے پر لگی سو

ہوا میں بلبلی کسوت سوں بابل　　ہوئی زاہد کی بیٹی صورتِ گل

رہی ہے٭ توتے منج میں دردناکی　　گئی نیں تو تے اس کی سینہ چاکی

ہے منج میں تو تے سنبل کے نمن تاب　　دو نرگس کے نمن ہے تو تے بے خواب

170　دعا سوں ختم بلبل بات کوں کر　　کھیا یوں مختصر اس دھات کوں کر

کہو! کیا ہیں؟ سبے تجے معلوم ہے سب
مرے موبخت بور تیری نظر اب

(٭ توتے = tau-te)

۱؎ طبق کی جمع ۲؎ من روے اور جا بغیر نہیں رہ سکتا ۳؎ اٹھائے بھڑکائے ۴؎ رکھنے والا ۵؎ چھپ گیا ۶؎ مانند۔
۷؎ بچھایا ۸؎ [illegible] ۹؎ ... ۱۰؎ کنول ۱۱؎ پتے ۱۲؎ گھڑی ۱۳؎ اسمان ۱۴؎ اسمان ۱۵؎ تب اسے

ملا نصرتی بیجاپوری

نصرتی دبستان بیجاپور کا اہم ترین شاعر ہے۔ اگر چہ اس نے ایک طویل عمر پائی تھی اور محمد عادل شاہ، علی عادل شاہ ثانی اور سکندر عادل شاہ کی تاجداریاں دیکھی تھیں اور کئی ادبی شاہ کار چھوڑے ہیں پھر بھی اس کی تاریخ پیدائش اور دیگر حالات ناپید ہیں تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی کا نام محمد نصرت تھا نیز اس کے دو بھائی شیخ منصور اور شیخ عبدالرحمان تھے جو اپنے بزرگوں کی طرح بیجاپور کی سرکار کے سپاہ گر تھے۔ خود نصرتی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بزرگ کئی نسلوں سے عادل شاہی حکومت کے پرانے خدمت گزار تھے۔

بحمد اللہ کہ کرسی بہ کرسی مری چلی آئی ہے بندگی میں تری

اپنے والد کے بارے میں لکھتا ہے :

کہ تھا مج پدر سوں شجاعت مآب قدیم یک سلحدار جمع رکاب

بقول نصرتی اگر چہ اس کے بزرگ کرسی بہ کرسی سلاطین عادل شاہی کی بندگی کرتے رہے لیکن شاید نصرتی اس خاندان کا پہلا شخص ہے جو اپنی شاعری کے بل بوتے پر درباری اہل علم میں شمار ہونے لگا۔ علی عادل شاہ نے تخت نشینی کے بعد نصرتی کو دربار میں بلایا اور اس کو اہم مرتبہ عطا کیا اس دور میں بیجاپور کی ادبی محفل پر مقیمی، امین، شاہ معظم، رستمی اور خود سلطان علی عادل شاہ ثانی شاہی چھائے ہوئے تھے۔ اس خوش گوار ادبی ماحول میں نصرتی کی طبیعت بھی خوب نکھری اور اس نے شعر و سخن کے میدان میں قابل داد کارنامے سرانجام دیئے۔

بہ بقول مولوی عبدالحق "نصرتی نے بڑی عمر پائی تھی اس نے محمد عادل شاہ سے لے کر سکندر عادل شاہ کے زمانے تک تین عہد دیکھے تھے اور ہر عہد میں کچھ نہ کچھ لکھا تھا۔ تاریخ پیدائش کی ٹوہ لگانا بہت مشکل ہے لیکن بعض ادیبوں کی محنت و جستجو سے اب اس کے سالِ وفات کا پتہ چل گیا ہے اور وہ سنہ ۱۰۸۵ھ[1] ہے اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ انقراض سلطنت سے پہلے فوت ہو چکا تھا۔ اس طرح اس کے تذکرہ نگار فتوت کا بیان مشتبہ ہو جاتا ہے کہ نصرتی بیجاپور کے خاتمہ کے بعد بھی زندہ تھا اور فاتح بیجاپور شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار سے بھی روشناس ہوا تھا۔ فتوت کہتا ہے کہ جب ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۶ء میں بیجاپور فتح ہو گیا تو یہاں کے شعراء شہنشاہ کے دربار میں بلائے گئے ان میں ملا نصرتی بھی تھا۔ ان شاعروں نے شہنشاہ کے سامنے اپنا کلام سنایا اور سب کو داد ملی۔ لیکن ملا نصرتی کے کلام کی بہت تعریف ہوئی۔ اس کو شہنشاہ نے بہت پسند کیا اور ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کیا اور یہ بڑے عزت کی بات تھی کیوں کہ اب نصرتی تمام ہندوستان کا ملک الشعراء تھا۔[2]

---

[1] مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے سنہ وفات کا پتہ چلایا ہے۔ گلشن عشق کے ایک قلمی نسخے میں یہ قطعہ ملتا ہے:۔

ضربِ شمشیر سوں یہ دنیا چھوڑ
جا کے جنت کے گھر میں خوش ہو رہے

سالِ تاریخ آ ملایک نے
بو کہے "نصرتی شہید آ ہے"
۱۰۸۵ھ

[2] نصرتی ص ۱۲

نصرتی کی مثنوی ''علی نامہ'' کے مرتب پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ نصرتی کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ صرف ایک بیٹی تھی جس کی اولاد اب تک خوشحال زندگی بسر کر رہی ہے۔

نصرتی کی تمام عمر شعروشاعری میں گزری۔ ہر عہد میں اس نے کچھ نہ کچھ لکھا تھا۔ محمد عادل شاہ کے عہد میں اس نے صرف چند قصیدے لکھے تھے جن میں اس بادشاہ کی مدح ہے۔ علی عادل شاہ کے عہد میں گلشن عشق اور ''علی نامہ'' کے عنوان سے دو مثنویاں لکھیں۔ یہ دونوں ادب پارے اس کے شاہکار ہیں۔ سلطان سکندر عادل شاہ کے عہد میں اس نے تاریخ سکندری قلم بند کی جس میں عادل شاہی دور کے بیجاپور کے حالات محفوظ کر دیئے ہیں۔ بہ قول عبدالحق

ملا نصرتی کے مثنوی ''علی نامہ'' جسے پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے ۱۹۵۹ء میں مرتب کر کے شائع کیا تھا ایک ایسی تخلیق ہے جو بیک وقت ادبی بھی ہے اور اپنے وقت کی تاریخ بھی ہے۔ اس مثنوی میں نصرتی نے ان جنگوں کے حالات قلم بند کیے ہیں جو سلطان علی عادل شاہ ثانی کو دس سالوں تک مرہٹوں اور مغلوں سے کرنی پڑی تھیں۔ مثنوی کی آخری فصل ''صفت شعر علی نامہ وخوش ختم کتاب'' میں نصرتی نے اس تخلیق کا خلاصہ بیان کر دیا ہے جس کا لب لباب یوں ہے۔

پہلے تو بادشاہ کی مدح ہے جس کی سرپرستی میں یہ کتاب لکھی گئی۔ ایسے بادشاہ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں جو کمال کی قدر اور اہل کمال کو سرفراز کرتے ہیں۔ اس کے بعد ملک کی نمایاں شخصیتوں کے کارنامے کھول کر بیان کیے ہیں اور ان کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔ میں نے کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جو بیان کرنے کے قابل تھی۔ لڑائیوں کے واقعات ایسی محنت کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ جیسے مورخ کرتے ہیں۔ اس میں تمام حقیقتیں آگئی ہیں۔ اس میں کوئی بات زیادہ ہے نہ کم ہے۔ اس طرح علی نامہ کو ایک مغز کہنا چاہئے کیونکہ یہ دکن کی جان ہے اور شاہنامہ دکن ہے۔ اس مثنوی کے سن تصنیف کے بارے میں وہ کہتا ہے۔

لکھیا شاہ کا جس میں یو کر جب اَس ؛ ہزار یک ستر ہو تھے چھے برس
(۱۰۷۶ ہجری)

اس مثنوی میں قصائد بھی ہیں۔ ہر قصیدہ اپنے فنی کمال کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، مثنوی کے چند شعر ملاحظہ ہو۔

انتخاب

مثنوی علی نامہ

یو مناجات رواقاضی حاجات سوں ہے
جگ کوں سیراب کرے جس کے عنایت کا بدل

الٰہی ترا مہر عالم نواز
کر نہار ذریاں[1] کوں نِت[2] سرفراز

تو دانا و بینا قدیم و حکیم
توں عارف ہے کامل سمجھ تجھ عظیم

توں بولیا سو حق ہے ہمن[3] شان میں
ظلوماً جہولاً جو قرآن میں

ہیں کیا ہیں ہور کیا ہمارا سمجھ
نہ کام آنہارے[4] سے دونوں بے وجہ

نکل جہل[5] تے نا ہو عالم ہمیں
ہمن[6] نفس پرنت ہیں ظالم ہمیں

رکھے روشنی سٹ[7] اندھارے میں مونھ[8]
کرے کیا نفا چاند شب کور[9] کوں

ہوے خوب دیکھنے[10] سے معذور آہ
ربسر[11] راج مارگ پڑے دور آہ ۵

توں او بات[12] دکھلا[13] مجے کر کرم
کہ منزل کو اپڑوں[14] شب آخر قدم

غنی توں خزینے میں تجھ کم ہے کیا
ہمن[15] بندگی بن توں پر کم[16] ہے کیا

مرکب ہے ہمن جہل ہمناں میں او
نہ کچھ خوب کام آتے یکپل بی ہو ۱۰

لے آوینگے آخر جو پاکانِ حق
عبادت کے تحفیاں کوں بھر بھر طبق

کیا ہوں گنہ سو عبادت کے ٹھانوں
دریغا[17] کہ ہیں اس گھڑی کیا لے جاوں

گنہ پر میرے عاجزی کیا[18] لوں ڈھانک
نہ ہوتے بست یہ کچھ دیکھتے میں تو جھانک

نہ کاڑ[19] اس تے سر پوش دانائے غیب
کہ ہو دشمناں بیں توں ستار عیب

پنچہ[20] ہیں تو عاجز ہوں یک مشت خاک
توں حاکم ہے تیرا رکھیا روح پاک

---

[1] ذرہ کی جمع [2] ہمیشہ [3] ہماری [4] آنے والے [5] جہالت [6] ہمارے [7] پھینک [8] منھ [9] اندھا [10] دیکھنے [11] بھول [12] راستہ [13] دکھا [14] حاصل کروں [15] ہماری [16] کمی [17] افسوس [18] لوں [19] نہ اٹھا [20] ہاتھ

اچھے ہات عاجز کے تدبیر کیا توں مختار کل مجھ پہ تقصیر کیا
مجے خوب کاماں کی توفیق دے اچھے حق سوکر مجھ پہ تحقیق دے
طمع کوں نکو[1] ہونے دے بد کی کال[2] میری دین و دنیا میں عزت سنبھال
قناعت کا دنیا میں دے گنج مجھ صبوری میں دل کر گہر سنج مجھ
تگ و دو کی دنیا تے سب جھاڑ دھول مرے دل کے دامن کوں کر پاک بھوت 20
مجے حرص کی سوس[3] لاؤں نکو[4] میسرا آبرو مجھ پلاوے نکو
نہ خواری سوں کر کر پھرا خس[5] مجے توں حاجت روا ہو کہ اچھ[6] بس مجے
الٰہی ترا مجھ کوں دین سنبھاتے دو عالم میں تیرا دیا کام آتے
دیے باجہ[7] تیر ہیچ[8] پر کم[9] جہاں سکھے[10] تجھ کرم تے زمیں آسماں
مرے دل کوں سب جگ تے کر بے نیاز عنایت سوں تیر ہیچ رکھ سرفراز
مجھے عشق دنیا تے مردار کا نجاست میں پاڑیا[11] ہے یکبار کا
نکو کر ہو آخر اسی میں ہلاک کہ جیو[12] پاک ہے رکھ نجاست تے پاک
مرے نین کوں دے تو اس دہات نور کہ تا تجھ تجلی کا دیکھوں ظہور
کرایسے سنن[13] ہار مجھ دل کے گوش جو[14] او بالے بال[15] آکہ انپڑا[16] ایں ہوش
ترے دھیان کا جم رہے شہد مل محبت میں تجھ کر مرا موم دل 30
مرے طبع کے گل میں ہور نگ رس گپت[17] ہور پرگٹ[18] سدا توچ[19] تجھ بس
پنہا[20] چک[21] میں مجھ معرفت کا انجن[22] کہ ہر شئے میں دسن[23] آتے توں ہے سودھن[24]
پلا مجھ محبت کا ایسا شراب کہ ہو مست بسروں[25] دو جگ کا حساب
میرے مکھ سے کاڑ[26] اس اثر کا کلام کہ ہر بول ہوتے مئے پرستاں کو جام

---

۱ نہ ۲ کل ۳ پیاس ۴ نہ ۵ خس و خاشاک، تنکا
۶ رہ ۷ بغیر ۸ تیرے ہی ۹ کمی ۱۰ سیکھے ۱۱ پڑیا
۱۲ جان ۱۳ سننے والا ۱۴ وہ ۱۵ بال بال ۱۶ حاصل ہونا، ہوش آنا
۱۷ پوشیدہ ۱۸ ظاہر ہوا ۱۹ توہی ۲۰ پہنا ۲۱ آنکھ ۲۲ کاجل
۲۳ نظر آئے ۲۴ محبوب ۲۵ بھول جاؤں۔ ۲۶ نکال

دھر نہارا شر حال کا فال دے　　دلاں کوں جم اس قال تے حال دے
بھریا رک میرے دم میں افسوں سدا　　کہ جگ ہوئے مسخر یو سخن کر ندا
مرے شعر سوں زندہ کر ہر شعور　　سمجھ مجھ بچن تے توں کر جگ میں پور
مری بات اُنگے بحث کر سب کی رد　　سخن کر مرا عارفاں میں سند
سیاہی کوں کر میری ظلمات دھات　　قلم میں مرے خضر کی دے صفات
کہ ظلمات میں اس جو یو خضر جلے　　40 برسنے کوں امریت ابھال ہو کہ آتے
گلستاں میں ہر انجمن کی دھرا　　مرے خوش سفینے کا بستاں سرا
جو انکے نظر آکے باریک میں　　تو ہر بیت کی خوش محل میں یقین
دیکھاوے میرے پردۂ فکر سوں　　ہریک تازہ مضموں کی بکر مولع
مرے فن کے بن کو عطا کر وو آب　　کہ ہر پھول ہوتے چشمۂ پُر گلاب
ہریک پھول کوں دے تو اس دھات رنگ　　کہ ہوے صبا دیکہ خورشید دنگ
حروفاں میں بھر یوں معانی کا رس　　کہ ہوے مہ کوں امریت اپینے ہوس
اپنے شعر مجھ جگ پہ نت نقش ہو　　سورج کے نگینے پہ سکہ کرو
میرے مس کوں کر تجھ کرم سے طلا　　ہریک نگ کو خورشید تے دے جلا
خیالاں کو مجھ باد کے اوچ دے　　طبیعت کوں دریا کے نت موج دے
میرے جیب کو سیف کر آبدار　　50 عنایت کی رک دم سوں نت تیز دھار
کرنک جس طرف آبھے او زبان　　گزر آئے گر موشگافی وہاں
ترے فن کی قوت سوں مجھ مست کر　　ہنر سب میں میرا زبردست کر
کرامت مرے فن میں رکھ یوں نہاں　　کہ سنتے بچن ہوتے تماشا عیاں
مرا شعر کر دیے زمانے کو بر　　یو ہر بیت اچھو شیر مرداں کو ورد
معانی تے بِتّس قرب مرداں کوں دے　　سکت جنگ جوئی کا گرداں کوں دے
کہ کرتیں غزا غازیاں نت نوی　　سدا ہوئے دین محمد قوی
کہوں نعت اب شہ کا اس نامور　　نواز یا گیا جس کھڑگ تے ظفر

---

۱ آبیں ۲ تازگی، نکھار ۳ ابن ۴ اپنا ۵ بلندی ۶ زبان ۷ تلوار ۸ مشہور ۹ جس کے ۱۰ تلوار۔

صفت جشن جلوسی کہ ہو نوشاہ جواں
جلوہ کر یا کو عروسی دِسے کیوں ملک و ملل

لکھنہارا یو "فتح نامہ" نول[1] کرے ابتدا بات یوں بے بدل

بیجاپور جو یکہ شہراں کا شاہ کہ ہے ہفت اقلیم کا تخت گاہ 60

جب اس شہر کے تخت پر نوجواں جو بیٹھیا علی شاہ صاحب قراں

گھرے گھر ہوئی شادمانی نوی زمانے کوں پھر نوجوانی ہوئی

گہر شہ پہ دریا نے دیا بار بار مٹھیاں بھر صدف کیاں کھیاں اپنے نثار

سورج روز زربفت کا بستہ کھول کرے پائے انداز شہ کا امول

چندر ہر رین آکے شہ کے اگمس لگے چھانپ[2] جانے چرے اس چندن

زمانہ طبق بھوئیں[3] کا بھر گل سنوار لے آنے منگیا ہدیہ نو بہار

گنڈیا پھول بیلاں[4] کے ہاراں نول[5] بندیا گیند مخمل کے طرے[6] نچھل[7]

کنول کیاں کلیاں شیشہائے گلاب بھرے زعفراں طاس گُل آفتاب

کنبے سوں لاکے کا تسے بھریا چمن لاجوری[8] طبق میں دھریا

رکھیا کر کہ عنبر بتیاں بید مشک شمامہ ہے ریحان عنبر کا خشک 70

دبیاں[9] تے سپورن[10] کی چندنا[11] عبیر کیا سب کوں خوشبو چھڑک بے نظیر

---

1. بے مثال-نیا 2. چھپ 3. زمین 4. بیل کی جمع 5. نیا
6. پھولوں کا گچھا 7. خالص 8. نیلے رنگ کے پھول 9. ڈبیا
10. بدر کامل (بھرپور) 11. چاندنی (صندل-چندن)

کرن پھول پرورده گلاب بھار
سنیاں پہ شبنم پھواریاں[1] کے سار[2]

پَون[3] کا پنکھا لے صبا خوش ڈلاتے
دھواں[4] نہیں کھا سنباستاں دس آئے[5]

ہرے لال پیلے نول دھابت دھات
بنے خاص سرپوش کلغی کی پات

سرنگ سروِ نازک نہالاں ہوتے
نہالاں آرائش کے تہالاں ہوئے

اپر سب کے زریں منڈب دھر کے تاب
شرف جان اپنا ہوا آفتاب

پنکھیرو بنا کسوتاں دل پذیر
چلے ہو کلاونت[6] انگے بے نظیر

دسیں[7] پاتراں[8] خوب نوریاں سنوار
لگیں قمریاں ڈومنیاں نامدار

ہویاں گاوناں طوطیاں ناز سوں
کریں نغمہ کوئل خوش آواز سوں

80 چڑیاں زنگبازاں ہو کرتیاں ٹُبلا
دھرے سُرخ گھنگروتے نازک گلا

پکڑ تال شارک نے تالیاں بجاتے
ہزارا ہزار یک مقامات گاتے

انگے راج ہنس کھول پھرتے چلے
ہنر ناچ میں مور کرتے چلے

دمامے ہو خوش بادلاں گڑگڑاتیں
انگے رعد ہٹ نال ہو کڑکڑائیں

پتے راگ ہور رنگ رونق سنگات
آرائش بنا چاوسوں دھات دھات

جتے شوق انگیز خوش جلیش[9] سوں
لے آیا یو رسمانہ جب عیش سوں

بنے کاج دنیا کی نوشہ نول[10]
شہنشاہ او ہدیہ خوش کر سکل[11]

اپس دیدہ و دل کے آرام کے
جو تھی بست خوش کام کی کام کے

گھڑی کام کی کام آئی ضرور
پسند کر رکھیا و بیچہ[12] اپنے حضور

آپس انجمن رشک گلزار کر
رکھیا سو دیا بانت[13] عالم اوپر

90 نظر دیں زمانے کی جانب کیا
اسے شادمانی کی خلعت دیا

کرتا اس بزرگی سوں ہو پھر جواں
جتے لگ زمانہ اچھے شادماں

فلک جو زمانے کے ہمراہ تھا
گرا اُو لایق بخشش شاہ تھا

---

[1] فواروں [2] مانند [3] ہوا [4] کہر [5] نظر آئے [6] فن والے کلا والے [7] نظر آئے [8] پاتر: تلی
[9] لشکر [10] نیا [11] شکل [12] وہیں [13] بدیاونت عقلمند

عنایت کے کر نیں کرن قتلش پہ باز — کیا خلعت عدل سے سرفراز
کرم کا چڑیا ہوا ابر شہ گیان کا — گیا یوں برس منیہات وان کا
طمع بڑ چلی تس کی سیلاب میں — ڈبیا حرص نعمت کے غرقاب میں
الٰہی یو جم شاہ عالم اچھو — جہاں شہ تے محفوظ جسم جم اچھو

ملک لینے کی بچن شاہ کی ہیں یاں تے شروع
راج شاہ بیسے پو آئی ہیں کس دھات عمل

کتا ہوں اتا بات اک کام کی — دکھن کی شہی کی سرانجام کی
جو ملک دکن میں ہوا شہ نوا — جتا کام یکبار گی نو ہوا
نظر میں نوی جب یو بازی پڑی — ہوئی دوست دشمن کو فرصت بڑی
لگے دوستاں خوش ہو شادی منے ۱۰۰ پڑے دشمناں بدنہادی منے
شہی کی جو اٹے کارسازی اہے — بڑی یک یو شطرنج بازی اہے
جو ہیں بند بازاں ہنر کے کمال — ہر استاد کی یک روش کی ہے چال
جو کوئی کھیلتا کھیل جاتا ہے چھوڑ — وہی کھیلتا کھیل دوسرا مروڑ
نہ سمجھیا تلک کھیل مشکل پڑی — اوّل آر تیجہ آگر بازی کھڑی
شتابی کی بازی کوں رکھو سب تے پست — اندیشے کوں کرنا لگے پیش دست
جو کیں تے مخالف ادجا نا پڑے — یکہ آدا بی مہرا گنوانا پڑے
کمی گھٹاردی اور ادک سا اندنا — یکیک خوب فرزیں کا بند باندنا
اپس کو کا سجنا لگے گھوڑ بل سے — چلانا پڑے بند سوں پائے دل
رہنے کیں نہ دینا عرنی ہور رخند — کہ تا مہرہ ہر کام پر رہے بچند
مخالف طرف سب تے رکھنا نظر ۱۱۰ کہ اوکس دغا کے ہے بازی اپر

---

۱ اس ۲ کاہی ۳ اتنی ۴ تک ۵ آدھا ۶ بھی
۷ کم جگہ دے کر زیادہ جوڑنا ۸ زیادہ ۹ جوڑنا ۱۰ پیدل ۱۱ کہیں۔

جنے[1] لیا[2] سکے کھیل یوں اپنے ہات / سکے کر او لیلاج پر پیادہ مات

کہ القصہ یوں بادشاہی کے کام / درست ہوتے لک[3] او غنیماں[4] تمام

نھنے ہور بڑے تھے سو سب بد نہاد / اچھالے[5] او[6] ون چار طرف تے[7] فساد

مخالف تے اکثر منافق ہوئے / موافق بی کئی نا موافق ہوئے

بڑے برج کے شہ ابھی کم سن منے[8] / نوی[9] بادشاہی نوے[10] دن منے

ولے راہ ہمت سوں[11] کر دل قوی / نوے کام پر کر تردد[12] نوی

کبھی صلح کی یا لڑائی کی بات / کیا نیں لیا باج شمشیر ہات

نہ دیکھیا مخالف طرف باج[13] گھور / دِٹا[14] بات بولیا پڑتی[15] پر ضرور

جہاں ہوئے جنگ و جدل بیگماں / کدہیں[16] فائدہ ہوتے کدہیں ہوتے زیاں

خدا شہ کی نیت کوں دیوے جزا / 120 زیاں کار کوں غیب تے ہوتے سزا

غنیماں کوں ہور باغیاں کوں ولے / سدا گوشمالاں چہ دیتے چلے

بزرگی جسے اتّے[17] خدا داد ہے / دل اس کا نڈرپن[18] میں پولاد[19] ہے

بھلے مرد سر کچھ جو مشکل پڑے / 123 کرے بُدھ[20] سوں حل نا اسی میں اڑے

---

۱ جس نے ۲ لے سکے ۳ تک ۴ غنیم کی جمع ۵ اٹھائے ۶ وہ ۷ سے ۸ میں ۹ نئی ۱۰ نئے ۱۱ سے ۱۲ غور و فکر (از سرِ نو) ۱۳ بغیر ۱۴ ڈٹ کر۔ ہمت سے ۱۵ موقعہ پر۔ ضرورت پر ۱۶ کہیں ۱۷ اتنی ۱۸ نڈرپن ۱۹ فولاد ۲۰ بدھی سے۔ عقل سے۔

در مدح سلطان علی عادل شاہ ثانی

زہے شاہ غازی یو اقبال مند — دیکھا تیغ تدبیر بدھ سوں بلند

کیا سالہا کے، گھڑی یک میں کام — سٹیا کھود فتوے کا پایہ تمام

اَدِک پائے مردی سوں یو شبیر مرد — اُڑایا کھندل کر غنیماں کوں گرد

دِیا کوٹ کاریاں کو سب جیو دان — کہ اِت عاجزی کر منگے سب امان

سیوا ہور فوج اس کی سب بدسگال — ہوے باؤ تمنے پریشان حال

غضب شہ کا گر اس پہ غالب دِسیا — دنباں اس کا بن نامناسب دِسیا

کہ روبہ دھرے نھاٹ جب کوہسار — اسے جیو چھپانے ہزار یک ہیں غار

نکرنا بچن شرزہ خرگوش بات — کہ اُن مارنا مست ہاتھی پہ ہات

کہے شہ پڑے ہیں بڑے بھوت کام — ہریک تمکلا کام کرنا تمام ؟

لگ اس کے پچھے چپ جو دن سار نا — کہ جیوں کھود ڈونگر چوا مارنا 10

دیا ہوں اسے بی تو یو گوشمال — بھلی ہونے تک اس کے کاناں کی کھال

منک تو ہمارا رکھے گا ادب — خدا ہے اگر پھر رہ بسریا تو تب

اِتا چھوڑ بی دیکھتا ہوں دھرے — کہے سوچ یو بات شہ وَیں پھرے

قصیدہ بی اس فتح کا اس گھڑی — کیا تھا بچن جیوں نظر تل پڑی

خصوصاً شہنشاہ اقبال مند — نظر میں ہنر کیا کیے گر پسند

سمجھنے جگ او چار شہ کی رجتی — قصیدہ بی او یہاں لکھیا نصرتی 16

---

۱ یہ بڑ۔ تلفظ ۲ دکھا ۳ بدھ سیارہ، جو عقل دانش کا ترجمان ہے ۴ سالوں کے ۵ پھینک دیا ۶ زیادہ ۷ سے ۸ یہ ۹ پاؤں تلے روندھا ۱۰ غنیم کی جمع ۱۱ اہل قلعہ ۱۲ اتنی ۱۳ مانگی ۱۴ تلفظ سوا بمعنی سیواجی گزار۔ ۱۵ اور ۱۶ ہوا ۱۷ مانند ۱۸ سلطان علی عادل شاہ ثانی ۱۹ گرطبع، قلعہ ۲۰ نظر آیا ۲۱ بھیڑ ۲۲ روباہ، لومڑی ۲۳ دوڑ کر ۲۴ تلفظ، جو بمعنی جان ۲۵ بات نہ کرنا ۲۶ بیجاپور کا ایک جرنیل جس کا نام سید الیاس اور لقب شرزہ خاں تھا ۲۷ مغلی سردار جے سنگھ ۲۸ ان کو ۲۹ بہت ۳۰ ادھورا ۳۱ پیچھے ۳۲ گندا۔ نا ۳۳ بہ بار ۳۴ ۳۵ چوہا ۳۶ بھی ۳۷ کان مروڑ ۳۸ ٹھیک ۳۹ کان کی جمع ۴۰ بھولنا ۴۱ ہنر کو مد نظر رکھ کر ۴۲ غور و فکر۔

قصیدہ نصرتی

جب تے جھلک دیکھیا اُدِک سورج تری ترواَر کا
تب تے لگیا تھر کانپنے ہو پُر عرق یک بار کا
کوئی بُند جو تیری کھڑک کی پانی تے دریا میں پڑے
کھا جوش اُدِک یک نیر ہوئے تختہ اکھنڈ یک گار کا
کَس میں طالع کے قوی جم تے اُدِک جم جم دِسے
جس میں تو عالم گیر ہو آیا سکندر سار کا
جب تج کھڑک پر آسماں جوہر کی جاگا جس لکھیا
ہے فتح تب تے تج انگیں ٹھانک لے خدمت گار کا
کیا تج کھڑک کا باٹ ہے اِنّا فتحنا کا الف
نصرٌ مِّنَ اللہ تو تجے ساقی ہے ہر او چار کا
تک سیتّ بند پر باند رُخ نکھا طرف حملہ کرے
ہو خشک لب دریا تے سٹور اول اٹھے زنہار کا
کوئی مُہرہ سر تج انگے جانباز نے لے جا سکیا
جاں رزم کے تختے پو توں ششدر بندیا کھیل کھار کا
ہر فصل شہ کے وصف کی لکھتا تو ہوتے کئی ورق
پڑتا ہوں سرنامہ بڑی یک فتح کی طومار کا
اب کھتم تے اس مضمون کے مطلع نوّل پیدا کروں
ہر حرف کے معنے تے تا نکلے سورج جھلکار کا

9

۱ سے ۲ زیادہ ۳ تلوار ۴ بوند ۵ تلوار ۶ پانی ۷ اودے ۸ طاقت ۹ قوت ۱۰ سکندر کے
مانند ۱۱ جگہ ۱۲ آگے ۱۳ سمندر ۱۴ پل ۱۵ نکا ۱۶ پیر ۱۷ بہار ۱۸ آسمان

روشن علی سہارنگ پوری

روشن علی کے تفصیلی حالات موجود نہیں ہیں۔ عاشور نامہ کے مرتب ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے بیان کے مطابق عاشور نامہ کے مصنف روشن علی کے بارے میں تمام دستیاب شدہ تذکرے خاموش ہیں۔ ظاہر ہے ادبی لحاظ سے یہ اس پائے کی تصنیف نہیں ہے کہ "عالم میں انتخاب" شہر کے تذکرہ نگار اس کی جانب متوجہ ہوتے۔ روشن علی کے بارے میں ہماری معلومات کا تمام تر ذریعہ خود اس کی تصنیف ہے، جس سے یہ ثابت ہے کہ "سیر دینا" کرنے کے بعد مصنف سہارنگ (سہانپور) میں مستقیم ہو گیا۔ ص ۲

روشن علی کی اور کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا اور عاشور نامہ کی اندرونی شہادت کے مطابق وہ کم علم تھا۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں کا خیال ہے کہ وہ معمولی علمیت کا آدمی تھا۔ اس کی لیاقت فارسی شہادت ناموں تک محدود تھی ...... ہر چند وہ کبھی کبھی آیات و احادیث بھی نقل کرتا ہے مثنوی عاشور نامہ کو پروفیسر مسعود حسین خاں اور سفارش حسین رضوی نے مرتب کیا ہے اور سلسلہ مطبوعات "قدیم اردو" نمبر ۲ کے تحت شعبۂ لسانیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے شائع کیا ہے۔ یہ مثنوی سنہ ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء میں تحریر ہوئی مرتبین اسے شمالی ہند کا قدیم ترین شہادت نامہ مانتے ہیں۔ اس مثنوی میں کل ۳۵۴۴، شعر ہیں مطبوعہ مثنوی میں بھی ذیلی سرخیاں ندارد ہیں۔

دیگر مثنویوں کی طرح اس میں بھی حمد نعت اور منقبت چار یار لکھی گئی ہے۔

اس کے بعد شہادت نامے کا بیان شروع ہوتا ہے۔

مثنوی عاشور نامہ

حکایت حسینی برہمن

قصہ مختصر اب سنو مسلماں
یوئیں رات گذری ہوا دن عیاں

ذکر بولا روشن علی سب بیاں
رکھا غم مسلمین جیسے سناں[۱]

سنو مومناں بھید سبحان کا
رکھو وہم[۲] دل میں تم ایمان کا

مسلمان کافر کرے آن میں
کفر سے نکالے تو ایمان میں

چلے وہاں سے ملعون تب کوچ کر
پکڑ شام کا راہ دل سوچ کر

وہ تھا نام راہب پر زنار دار[۳]
وہ مشہور تھا اُس زمین پر غدار

تھے اسرار حق کے کی اس کو خبر
ملا فوج سے پیشوا آن کر

دیکھے بھالوں اوپر شہیدوں کے سر
پھرے نور رحمت کا وہاں سر بسر

دیکھا نور سے اس کے آکر جھمک
زمین آسماں میں تھی خشبو مہک

دیکھا خیال قدرت کا اس نے عجب
ڈرا اپنے دل بیچ پوچھا سبب ۱۵

ولے جی میں یہ تھا کہ میں کیا کروں
کہ سر خاصہ لوگوں کے دل میں دھروں

کشندوں پہ لعنت برستی وہاں
کہ ہے نور باراں سروں پر عیاں

پوچھا آکے نزدیک وہ خاک چاٹ
گنہہ بولو ان کا لیا سر جو کاٹ

ایتی سختی تم نے جو اُن پر دھری
انھو نے وہ تقصیر کیا تھی کری

اسم وار ہر ایک عیاں کر سناؤ
ہیں اولاد کس کی، بیاں کر سناؤ

کیا قتل ان کو جو تم بے خطر
کہو بھید مجھ سے یہ سب کھول کر

اُنھوں صدق سے (یہ) کہی بات سُن
یقیں کر، وہم چھوڑ بولے بچن[۴]

۱۔ سنا کا تلفظ ۲۔ بمعنی خیال ۳۔ حسینی برہمن ۴۔ سُن اور بچن قافیہ کیے گئے ہیں؟

کرخاتم نبی تھا ہوا جگ اوپر ۔۔۔ یہ ہیں اُن کے دلبند، پیارے جگر
علی، فاطمہ کا یہ فرزند تھا ۔۔۔ مدینہ سبھی اِس سے سود مند تھا
20 ظلم جبر ہم سے یہ سب کچھ ہوا ۔۔۔ ابھی ان سے تقصیر نہیں کچھ ہوا
یزید کو انھوں سینی ایک ضد تھی ۔۔۔ بھیجا ہم کو ظالم نے کر کے خودی
خدا کا یہ تھا بھید، ہم ہیں خجل ۔۔۔ تھی قسمت میں ان کے زروزِ ازل
یزید کو دیویں گے یہ سر جائے کر ۔۔۔ بجالائے ہم اس کا حکم و اَمَر
چلا چلیں ہووے وہ اسی گاؤں پر ۔۔۔ کھڑا ہو رہا ہمن آس جائے پر
کیا عرض راہب نے دل سے سبھی ۔۔۔ ہے ویران کی جگہ بستی اچھی
کرو رات گزران اس ٹھور پر ۔۔۔ صبح کو کرو کوچ پھر جلد تر
کروں آج خدمت تمھاری بہ دل ۔۔۔ میرے کام سارے ہوئے ہیں سجل
تمھاری مہمان داری دل سے کروں ۔۔۔ وہ سب رات چوکی مردوں کی کروں
کری بات راہب کی سب نے قبول ۔۔۔ کہ راہب کو کرنا نہیں اب ملول
30 جو راہب کہے ہے وہی بات خوب ۔۔۔ جو گذرے اُسی گاؤں میں رات خوب
کیا موذیوں نے وہیں پر مقام ۔۔۔ وہ دن تھا سو گذرا، ہوا وقت شام
بہت چاپلوسی سے کھانا پکا ۔۔۔ کھلایا انھوں کو خوشی آملا
دے عاجزی سینی بولا یہ بات ۔۔۔ حوالے تھے سرجنگ اُن کے دو ہات
وہ سردار کا سر مجکو دلواؤ تم ۔۔۔ کہ ماندے تھکے ہو نہ سو جاؤ تم
یہ سردار ہے مردں کا بہت دوسندار ۔۔۔ کرے کوئی رتو رہ شب ہے اندھیار
جو سر دیو مجکو تو ہے ٹھیک بات ۔۔۔ کہ ہے آج کی بہت تاریک رات
یہ بار نامی آوے گی اس گاؤں پر ۔۔۔ یزید ہوگا غصہ میرے ناؤں پر
کروں ہوں غریبی سے گذران میں ۔۔۔ نہ چاہوں ہوں بستی کا ویران میں
یہ سر دیو مجکو رکھوں غور سے ۔۔۔ فجر ہوتے دیدوں گا فی الفور سے
40 ہوا نپسند ان کے تئیں یہ جواب ۔۔۔ دیا سر وہ راہب کو اس نے شتاب
وہ سر لے کے گھر میں گیا شادمان ۔۔۔ پیرات سوتے[1] کی رکھا (وہ) دہاں

---

[1] سوتے (دیہات)

صدق سے جلاتا تھا خوشبو کے تئیں
ادب سے کری عرض اس نے یوں نہیں

یہ سر ہے نبی کے جو فرزند کا
علی فاطمہ کے نیاز مند کا

دیکھوں معجزہ تھوں[1] ہو میری طرف
قبولوں میں ایمان اے باشرف

سنو مومناں بھید یہ پاک ذات
پھرا مونہہ کو شہ نے وہیں[2] درپرات

وہ پھر عرض راہب نے کی صدق لا
کہو نام مجکو سنا اولیا،

شرف دین اپنے کا فرماؤ تم
میں اسلام لاؤں جو بتلاؤں تم

کرو جد کا تم اپنے ظاہر بیاں
سنوں نام میں بھی جو ہو دل نشاں

.... شرف قادر کیا سر آواز
حسین نام میرا ہے سُن اہلِ راز

نواسے ہیں ہم شاہِ خیر البشر 50
کہ ہیں رحمت اللعالمین در خبر

علی مرتضیٰ کا میں ہوں گا پسر
شفیع امتاں فاطمہ کا جگر

کیا بے دفائی یہ ہم سے یزید
غضب رب کا ہووے گا اس پر شدید

تلاوت کیا کلمہ سر نے وہیں
کہ یہ شرط اسلام کی اہلِ دیں

یہ راہب سنا کلمہ سر سے ندا
مسلماں ہوا صدق دھر با خدا

بیٹے ساتوں اس کے مسلماں ہوتے
ہوا شاد خورم باایماں ہوئے

یہ سب رات عنبر جلاتا جو تھا
بہت خوب خوشبو لگاتا جو تھا

اسی طرح سب رات بھر تھا رجوع
یکایک ہوا پھر تو سورج طلوع

بلائے وہ راہب نے فرزند سات
پوچھا فکر کیا ہے کہو دل کی بات

میرے دل میں آتی ہے یوں نہیں کروں
تمہیں سات کو اس پہ صدقے کروں

وہ ساتوں پکارے ہماری نجات 60
تو کیا ہم سے پوچھی ہے (یہ) خوب بات

اتے ہیں جو آئے کتنے لوگ پاس
وہ راہب جو بیٹھا (تھا) غمگین اداس

کہا ان کے اس کو سختی ستی
امانت نہ لایا یہ کیا دیر کی

ہوا کوچ لشکر چلا جائے سب
دیو و سر حسین کا ترت لا کے اب

---

[1] منھ [2] وھیں

بلا کر کے راہب بڑے بیٹے کو — لیا کاٹ سر، بولا لیو موذیو
گئے سر کو لے کر وہ سب موذیاں — سرداروں کے آگے رکھا وہ عیاں
لعین اٹھ کے بولے کہ وہ سر نہیں — لے آؤ جہاں پر دھرا ہو کہیں
سو جا کے ایک آدمی اور کھڑا — دیا کاٹ کر سر وہیں دوسرا
تبھی پیادہ والا کے وہ سر موذیاں — رکھا جا کے سرداروں کے درمیاں
وہ بدبخت بولے نہیں ہے وہ سر — دیا تیسرا اُس نے پھر کاٹ کر
70 وہ کم بختوں نے جا کے آگے دھرا — بہت غصہ موذی نے اُس کو کرا
کہ یہ تو نہیں ہے وہ سر شہ حسین — ابھی زود لاؤ جو ہو دل کو چین
انھوں نے پھر آ کر طلب سر کیا — وہ سر کاٹ چوتھے کا ان کو دیا
بولے لعنتی سر نہیں، کیا ہے فند — شتابی سے سر لاؤ وہ کر کے دُند
انھوں نے بہت آ کے سختی کری — کہ سر دیتا نئیں بے فکر کیا دھری
بیٹا تھا وہ راہب کا پنجم بھلا — دیا کاٹ سر اُس کا اُن کو اٹھا
بولا لعنتی سر نہیں وہ عجب — نہیں دیتا ہے راہب کہہ کیا سبب
طلب کر کے فرزند ششم شتاب — دیا کاٹ کر اس کا سر در جواب
بولے پھر وہ ملعون کیا کیا فکر — حسین کا نہ دیتا ہے سر کیوں مگر
روایت سنی اس طرح مومناں — کہ راہب دعا مانگی حق سے وہاں
80 سو ہفتم بیٹے کا کاٹا وہ سر — دیا ہاتھ ان کے دیوے حق خبر
گیا سجدہ جبہ دیا سر کو ڈال — بہت عاجزی سے کہا اپنا حال
کہیں یہ نہ آن سب پہ تحقیق ہو — کہیں سر حسین شاہ کا جا کے دوں
تمام از رب الجلیل جہاں — اجابت دعا کی سو راہب کی وہاں
یہ حق ذات نے جہیں سو ایماں لیا — فرزندوں سات اپنوں کو قرباں کیا
نبی کے فرزند پہ وہ صادق ہوا — وہ ثابت قدم تھا یا ایماں ہوا
پہلے سو کر کے [illegible] نا بکار — کیا گو رو شکر نے تھے سب تیار
87 سو راہب گیا لے کے سر کر چلا — گیا دفن جا کر وہ دھڑ سے ملا

اسمٰعیل امروہوی

میر اسمٰعیل امروہوی کا شمار شمالی ہند کے ابتدائی دور کے مثنوی نگاروں میں ہوتا ہے۔ بہ قول نائب حسین نقوی :-

"اسمٰعیل کے مورث اعلیٰ، مخدوم سید حسن المعروف بہ سید شرف الدین شاہ ولایت ۷۰۶ھ میں مع اپنے والد ماجد "میر علی بزرگ" کے واسطہ سے براہ ملتان امروہہ تشریف لائے، آپ کا سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے امام علی نقی سے مل جاتا ہے۔"

(اردو کی دو قدیم مثنویاں، صہ ۴۵)

اسمٰعیل کی دو مثنویاں منظر عام پر آئی ہیں ہو سکتا ہے انھوں نے اور کلام بھی چھوڑا ہو۔ مثنوی وفات نامہ بی بی فاطمہ ۱۱۰۵ھ میں تصنیف ہوئی مثنوی معجزہ انار ۱۱۲۰ھ میں نظم کی گئی۔ شاعر نے مثنوی میں اس کا اظہار مذکورہ شعر کے ذریعہ کیا ہے ؎

گیارہ سو اپر بست سن تھے نبی   اسی روز قصہ کہا میں سبھی

اس مثنوی میں ۱۴۴ شعر موجود ہیں۔ مثنوی کی ابتدا، حمد، نعت، سے کی گئی ہے۔ چاروں خلیفوں کے تذکرہ کے بعد قصہ شروع کیا ہے۔ اسمٰعیل کا زمانہ ولی سے تھوڑا پہلے کا ہے۔ اس سلسلے میں نائب حسین نقوی کا خیال ہے کہ :-

"ہو سکتا ہے کہ ولی اور اسمٰعیل آپس میں ملے ہوں، محفلوں میں ساتھ رہا ہو، اور ولی اُن کی زبان اور بیان سے متاثر ہوئے ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ ولی نے اسمٰعیل کا کلام دیکھا یا سنا ہو لیکن یہ امر محقق ہو گیا کہ ولی کی ولادت کے وقت، اسمٰعیل جوان تھے اس لیے کہ اُن کا ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۰ء کا شجرہ کتب خانہ میں موجود ہے اس وقت ولی کمسن تھے۔ اسمٰعیل ان کی پیدائش کے وقت جوان اور وفات کے

وقت ضعیف ہوں گے۔ اسمٰعیل کو دلی کے بعد کا شاعر نہیں کہا جا سکتا۔
بلکہ "ولی" اسمٰعیل کے بعد کے شاعر تھے اور اگر اس مسئلے کو نظرانداز بھی کر دیا
جائے، تب بھی اسمٰعیل شمالی ہند کا شاعر تھا اور ولی دکن کا۔ وہ دکن سے
دلی آئے اور پھر دکن واپس ہو گئے۔

(اُردو کی دو قدیم مثنویاں ص۵)

اسمٰعیل شمالی ہند کے قدیم ترین مثنوی نگار کی حیثیت سے خاص مرتبہ کا
حامل شاعر ضرور ہے مگر اسمٰعیل سے پہلے جنوبی ہند اردو مثنوی کے سنہری دور
سے گزر چکا تھا۔ وجہی، عبدل، ابن نشاطی، صنعتی، نصرتی وغیرہ کی مثنویاں اردو
ادب میں ادبی معیار قایم کر چکی تھیں۔ اسمٰعیل امروہوی اردو مثنوی کے
ارتقا کی اہم کڑی ہے۔ اردو مثنوی کی تاریخ ہندوستان میں صدیوں سے
کئی مختلف حصّوں سے تعلق رکھتی ہے۔ علی سردار جعفری کی مثنوی جمہور،
کیفی اعظمی کی مثنوی خانہ جنگی اور حافظ قمر واحدی جے پوری کی مثنوی نوید تاریخ
جنگ آزادی مطبوعہ ۱۹۸۳ء وغیرہ نے مثنوی کو رام راؤ پدم راؤ کے شاعر
نظامی بیدری کی قایم کردہ روایت کو آج تک جاری رکھا ہے۔ اُردو مثنوی
کے سرمایہ کا جائزہ لینے والے کو ان تمام امور کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔
اسمٰعیل امروہوی کو شمال اور جنوب کی اردو مثنویوں کا سنگم کہنا غلط نہ ہو گا۔ اس
شاعر کی زبان کا خصوصی مطالعہ بے انتہا دلچسپ ہے۔ مثنوی وفات نامہ بی بی
فاطمہ ۳۱۹ اشعار پر مشتمل ہے اور معجزہ انار میں ۱۴۸ شعر ہیں۔ یہاں مثنوی
معجزہ انار کو اُردو کی دو قدیم مثنویاں میں سے پیش کیا گیا ہے جسے نائب حسین
نقوی نے بعد تفصیلی مقدمہ تبصرہ ترتیب دیا اور دانش محل امین الدولہ پارک
لکھنؤ سے شائع کروایا۔ اسمٰعیل نے دلی سے قریب واقع اپنے وطن اور شہر
کی مدح کا ذکر مثنوی وفات نامہ بی بی فاطمہ کے اختتامیہ اشعار میں یوں کیا ہے۔

نبی پیر دی بیچ رہ، اسمٰعیل ۔۔۔ قیامت کوں بخشے گا رب جلیل (دعا)
وطن امروہا میرا ہے، شہر نام ۔۔۔ اسی جائے پر میرا ہے گا قیام
دلی کے گرد بیچ وہ شہر ہے ۔۔۔ بہت سود تی ابھی وہاں لہر ہے

مثنوی معجزۂ انار

باشاہ خیبر (بلقیس شاہ)

الٰہی! تو دانا ہے ہر کاج کا ۔۔۔ سرانجام دیتا ہے محتاج کا
ہر اک آرزو کی پورا[1] تا ہے آس ۔۔۔ کبیراں، صغیراں، فقیراں تراس[2]
جتی[3] ہیں گی مخلوق ہریک جہاں ۔۔۔ تری نعمتاں[4] کاچ[5] بولیں بکھاں[6]
توں قہار، غفار ہر اک اوپر ۔۔۔ تری صنعتاں کا کسے خبر
کتی[7] تنے ہے ظاہر، کتے[8] غیب دار ۔۔۔ توئیں[9] بوجھتا ہے غریب، نواز
محمد سبھوں پر کیا نام دار ۔۔۔ جتی[10] تنے انوں سے کیا کامگار
محمد نبی ہیں، کریم و شفیع ۔۔۔ مراتب سبھوں پر کیا ہے رفیع
اول کچھ نہ تھا جد، نبی جو کیے ۔۔۔ نبوت کا چھتر انوں سر دیے
چارو(ں) یاران کے جو ہیں ہم کلام ۔۔۔ خدا نے بڑائی دیا ہے مدام
ابوبکرؓ صاحب، عمرؓ خاص نام ۔۔۔ وعثمانؓ، علیؓ یار دوجے تمام ۱۵
اصحابی سبی[11]، جمع اس جائے تھے ۔۔۔ صورت دیکھنے کوں نبیؐ دھائے تھے
مدینے میں یک روز کر التجا ۔۔۔ بیٹھے یار سب مل نبیؐ پاس جا

---

۱ پورا کرتا۔ ۲ بیان کرنا۔ تعریف کرنا۔ ۳ جتنی۔ ۴ نعمت کی جمع۔ ۵ کاہی۔ ۶ تعریف کریں۔ بیان کریں۔ ۷-۸ کتنی۔ ۹ تو ہی۔ ۱۰ جتنی۔ ۱۱ سبھی۔

نصیحت جو کرتے تھے سب خلق کوں — نماز اور روزہ و تسبیح کوں
مُلک مُلک کے شاہ اور خاص عام — حُکم مان کر آئے کرتے سلام
اُتھا مُلک خیبر بڑے بھار کا — کہ تھا شاہ بلقیس اس ٹھار کا
کہ یک سال سارا وہ شاہی کرے — کہ لشکر، قلعہ، مال بہتے دھرے
قلعہ خیبری تھا بہت استوار — توپاں باندھے چادھرے ٹھار ٹھار
بارہ کوس تائیں وہ لشکر پرے — ہر اک ملک کے شاہ، اس سوں ڈرے
نظر بھی غضب کی وہ کرتا جدھر — وہ ملک پل میں ہوتا، تل[1] اوپر
20 اسے مال اور گنج تھا بے شمار — خزینے بھرے گنج کے ٹھار ٹھار
شتر گھوڑے ہاتھی اتھے بے گنت — دوجے گاؤ خانہ، انوں کا نہ انت
سبھی شاہان ملک کے اتھے پائینام[2] — سلامی، اسے بھیجتے تھے تمام
بڑا پہلوان تھا، وہ بلقیس شاہ — تکبّر، غروری دھرے سال و ماہ
وزیراں اسے ایک سو باعقل — ہر اک مُلک میں وہ جو رکھتے دخل
اگر قصد رکھ کر وہ نکلے شکار — بر و بحر لرزہ پڑے ٹھار ٹھار
غروری سیں یک دن تخت بیٹھ کر — کہا، سب منیں ہوں کہ جیوں شیر نر
کہا کوئی ایسا نہیں در جہاں — مقابل ہوئے آکے میرے یہاں
وزیراں ہر اک دھڑ[3] کھنیں بولے تمام — مدینے میں ہیں یک "محمد" بنام
ہر جائے[4] دین اپنا ظاہر کریں — صدق سیں اونوں کا جو کلمہ پڑھیں
30 اگر کوئی ان کوں دیکھے جائے کر — مسلمان ہو کر رہیں شاد کر
ہر اک ملک کے شاہ دیویں خراج — نہ ڈرتے کسی سے، خدا غیر باج
ہر اک کوئی کہتے ہیں، ان کوں رسول — حُکم مان، دل ساتھ کرتے قبول
نہیں جھوٹ بولیں، نہ کرتے ستم — روشن مکھ اوپر نور ہے، صبح دم
سخن یو سنا کافری نابکار — غصّے ہو گیا بولیا آشکار
اگر میری طاعت کریں وے قبول — بھلا ہے، وگرنہ ہوئیں گے ملول
وزیراں منیں[5] سے بولا اک وزیر — فہم اور فراست منیں تھا گھنیر

۱۔ تلے۔ نیچے۔ ۲۔ ماتحت ۳۔ طرف۔ گروہ۔ ۴۔ جگہ۔ ۵۔ میں۔

ترا نام مشہور ہے روم و شام
دھرے نیت جس پر کرے پائمال

کیا قدرت، دھرے وے آپس زور پر
غصے جب سو ہو تم رہے بھوڑ پر

نہ لشکراوں پاس، نے گنج مال
مقابل کرے آکے، تم ساتھ چال

40 فقیر اور فاقے بیچ رہتے سدا
فقیراں سیں یک دم نہ ہوتے جدا

سواری جیسی وقت ان پر گرد
پکڑ لاویں تمنا کے ہم رو برو

یہی بات سن شاہ، خوش ہوئے گر
حکم کر دیا کوچ کوں زود تر

کیا جیتا لشکر اسی کا شمار
فوجاں باندھ کر وہ کھڑے ٹھار ٹھار

زرہ بکتراں اور تفنگاں جتے[1]
دیا باخت[2] لشکر کوں جتے وہ تھے

حکم کر دیا، پیش خانہ چلا
سپاہ دیتا ہمراہ ساتھی ملا

خدا نے حکم دیتا جبریل پاس
جتا[3] و مرے دوست کوں جا کے داس[4]

بولا یا محمدؐ! خدا نے سلام
کہا ہے تمن[5] ساتھ بولوں کلام

یکے شاہ تم پر آوے کبر و مال
چاہے ملک تمنا[6] کرے پائمال

کرشش ماہ اس جائے سیتیں[7] ہے راہ
کیا قصد لشکر لے کر ساتھ جاہ

60 تمن جاؤ تنہا اسی جائے پر
نہ آفت آوے اس شہر کے اوپر

غرض کی نبیؐ نے وہ ہے جائے دور
جاؤں کیوں کہ اس پاس، ہے گا وہ دور

نبیؐ کوں فرشتے نے حق کے حکم
بٹھایا بازو پر، چلا دم بہ دم

یکے چاہ[8] تھا، اس شہر کے کنار
پائیٓ جاوے شاہی محل بیچ ٹھار

یکے باغ اس محل میں خوب تر
پانی جاوے شاہی محل بیچ نہر[9]

نبی جا کھڑے ہوئے، اس چاہ پر
وزیر ایک نکلا، اسی راہ پر

کھڑا ہے یکے مرد" عربی لباس"
مشک بوئے عنبر آوے ان کے پاس

پوچھا کون تم ہو، کہو شاہ دیں!
دیکھوں با تجمل سے ثابت یقیں

کہا میں مدینے میں رہتا چ ہوں
یہی بات سچ مان، کہتا چ ہوں

---

۱ جو تھے، جتنے ۔ ۲ بانٹ ۔ ۳ بتاؤ ۔ ۴ خدمت گار ۔ ۵ تمہارے ۔ ۶ تمہارا ۔ ۷ سے ۔
۸ باؤلی ۔ کنواں ۔ ۹ نہر ۔

سنا ہوں مدینے میں ہے، ایک نبی　　خدانے جو محبوب کیتا سبھی
خدانے حُسن بہوت دیتا جمال　　نہ دیسا کوئی در جہاں خوش خصال　60
ہراک طرف مشہور ہے ان کا نام　　"خدا کے نبی" خلق کہتی تمام
ہمارے شہنشا(ہ) کہیا یوں مجھی　　پکڑ لاؤں میں یوں اسی کوں ابھی
کہا "وہ محمد" مجھی کو پچھان　　کر جن کے لیے تیں نے تعریف مان
وزیر، یہہ سخن سن، گیا فکر میں　　کہا کیوں دیو، جبو ناحق تمھیں
مرا شاہ سنے گا، کرے سر جدا　　ایسا پھر نہ بولو زِ بہرِ خدا
نہیں جھوٹ بولا ساری عمر میں　　نہ مانے تو پھر جا کے دیکھو تمیں
محمدؐ میرا نام ہے گا رسول　　قسم ہے خدا کی، کرو تم قبول
سخن یو جو سن کر ہوا خوش وزیر　　نگہبانی کرنے لگا بے نظیر
نوشتہ بھیجا شاہ کو کر جتن　　عرب ایک کہتا "محمد" ہمن[1]
یہ سن، آیا شاہ وہاں دوڑ کر　　لگا پوچھنے بات، خوش ہوئے کر　70
کہو نام، اپنا مسکیں گدا!　　کہا "میں محمدؐ ہوں" قسمِ خدا
سنا ہے خبر میں، ہر ایک ملک میں　　ڈریں شاہ تھر تھر، نہ آنند[2] میں
اسی کی جو دہشت مجھے کتنی بڑی　　نہ سُکھ سیج سویا، نہ کھا(یا) کبھی
اگر تم کہو، میں ہوں "احمد رسولؐ"　　دیکھوں معجزہ میں، کروں سب قبول
نہیں ترے پرزے کروں گا جدا　　محمدؐ تب زاری کریں، از خدا
نبی خاک لے، پڑھ اسی پر درود　　پانی پر ڈالی، دیکھتے شہ کے زود
وہی نہر پانی چلا باغ میں　　جاں بیٹی بیٹھی، شہ کی اس ٹھار میں
تماشا جو دیکھے، اسی باغ کا　　بہوت پھول اور میوے گل نار (کا)
ہر اک جنس کے پھول گلنار تھے　　شجر میوے کے وھاں سوں سب بھار تھے
یکے جھاڑ، انار، اس جائے تھا　　دو پھل اس کو، ہر سال واں آوتا　80
یک انار کھاتا، وہ شاہ گھنبیر　　دو جا کھاتی بیٹی جو وہ بے نظیر

---

1. ہم ۔ 2. نیند نہ آئے

چھل روز لذت رہے

نہ دیسا کوئی پھل ہوے درجہاں
دردِ ہال

کہ خشک ہوے کر وہ رہا تھا انار
سبب اس کے، دختر کا دل خارخار

وہ پانی بھڑا اس کی میں جو آیا
سبز ہوکے انار پھل لائیا

گھڑے کے مثل انار لاگے تبھی
اسے دیکھ دختر، عجب ہو رہی

کہ انار ایک ہاتھ سے توڑیا
کھایا، کئی طرح کی لذت پائیا

حمل اس کوں، اس وقت رہ کر گیا
یکے لمحہ، نو ماہ پورا بھیا

لگی لوٹنے بر زمیں، درد سخت
لگی رونے وو عورتِ نیک بخت

خبر سب کہیں دوڑ جا، دم بدم
تری بیٹی بل ہیں ہوئی در رحم

خبر شاہ سن کر جو نکلا بہار
90 دیکھے سیں بیٹی کوں ہوا بے قرار

تفکر کیا، دیکھتے اے خدا
مری بیٹی کوں یو دیا، کیا بلا

کہ اک سال کا طفل در محل میں
نہ آنے دیوے یو، سو کیوں خلل میں

دیکھے عورتاں، آپ پکڑا شکم
کہا، باپ! یو دیکھ، کیا ہے ستم

پلک میں وہ لڑکا سو پیدا ہوا
آنگے سب خلقؔ کے ہویدا ہوا

کہ بوڑھا ہوا وہ، اسی پل، گھڑی
دیکھے کیا، دھرا ہے تختؔ یک زری

بیٹھا تختؔ پر آتے کر دل قرار
لگا وعظ کہنے، نصیحت پکار

کہا، سن اے بلقیس، کچھ فہم کر
دل وجاں سیں یو جو کلمہ سو پڑھ

کہ کلمہ پڑھے توں جو ہوئے نجات
توں جنت کوں دیکھے، نبی کے جو سات

"محمد" نبی کوں جو پیدا کیا
سبھی خلق کوں ان پہ شیدا کیا

سبھوں پر محمدؐ جو ہیں، نامدار
۱۰۰ کہ یو دین ان کا، صحیح پائدار

بغیر از انوں کے سبھی جھوٹ ہے
کر سچ مان یو بات، نئیں جھوٹ ہے

تعجب نہ کر، خیال یو دیکھ توں
یو دیکھ، معجزہ ہے "نبی" شاہ کوں

قدم جاکے اب توں نبی کے جو پڑ
کہ توں لا محمدؐ کوں اپنے جو گھر

نبی کے قدم اوپر سر راکھ توں
دگرنہ، دوزخ بیچ ھوے راکھ توں

لاو جا کھڑے ہیں، وہ خیرالبشر
محل اپنے کے بیچ، داخل توں کر

یقیں ہیں محمدؐ، وہ آخر زماں
میں ہوں معجزہ دیکھ، ان کا عیاں

قدم راکھ ثابت، اسی دین میں نبی عیسٰی کی میں ہوں اولاد میں
خدا کے حکم سیں کیا ہیں صدا نبی ہیں وہی دوست، خاص خدا
یہی سن جو دختر، اٹھی بول کر کہ اے باپ! اس بات پر سوز کر
محبّت سیں سر راکھ، جا بر قدم 110 لے کر اُو محل دیکھوں دم بہ دم
اونو پانوں تل لے کر ہم جو دھول کریں سرمہ آنکھوں میں، ہوویں قبول
مسلماں میں ہوں جو دل جان سیں کنیزک اولوں کی دیں، ایمان سیں
یہی بات سن کر، وہی نیک نام قدم جا پڑا، اور کہا، میں غلام
نبی بولے، جا محل میں ستر کر کہا شاہ! تم سیں رکھس ناخطر
غلاماں میں ہوئی کنیزک جتی تمن نام لیتی ہیں سب دل ستیں
ہمن ساروں کوں، دین اپنے میں لیو خدا ستیں بخشاؤ، جنّت دیو
محمّد کوں دیکھے سبھوں آؤ تے خوشی ہو کے دل میں صدق لاؤ تے
وہ بوڑھا بیٹھا (تخت) سیں جو اُتر زمین پر کھڑا اور وہ ہتھ جوڑ کر
نبی کو بٹھائے تخت کے اوپر شکر حق کیا، اور خوش ہوئے کر
بوڑھا مر گیا سب خلق دیکھتے 120 آسے دیکھ، افسوس سب کھاؤ تے
جنازہ بنا کر دفن جب کیا نبی کی رضا بیچ دل کوں دیا
کہا کلمہ، خوش ہو، صدق لائے کر ہوے لکھ مسلماں اسی وقت پر
ثنایاں خدا کی، لگے بولنے یہ صنعتاں نبی کی لگے کھولنے
یکے سال کا شاہ لایا خراج گھوڑے، فیل، شتراں، تخت، مال تاج
کیے پیشوائی بہ نزدِ رسول ہر اک سال اخراج کیتے قبول
کر بلقیس بولیا، نبی الکبار! یو دختر مری کوں کرو اختیار
تمھاری کنیزاں میں داخل ہوئی ثواباں حشر کوں تمو سیں جوئی
صحابی یکے، صادق نام تھا کیا عقد دختر کا ان کی پڑھا
نبی نے دیا بہوت سرپا د زر خوش حالی ہوئی سب مجالس بھتر
اسی دختری کا اتھا باپ "شاہ" 130 کہ صادق کوں منصب دیا اور جاہ
اسی کی جو اولاد ادر آل سیں پانصد تن ہوئے پیدا، در حال سیں

نبی کے سبھی معجزے کا بیان فکر سیں ہندی بیچ لایا بچھان
برکت اسی معجزے کا خدا بہ بخشا ؤ و نی دین میں مجھ سدا
سخاوت کی مجھ کوں تو توفیق کر گنا ہاں مجھت سیں، سب دور کر
میں بندہ گنہ گار ہوں "اسمٰعیل" ز برکت نبی، بخشے رب الجلیل
دعا دے مجھے، پڑھ اسے، کر تمام خدا بخشے برکت نبی کی بدام
یہ برکت جتے یاد ہیں گے رسول اونوں کی برکت سیں کرنا قبول
جتے اولیا اور ہیں غوث پیر برکت سیں ان کی سو کرنا کبیر
جتے اُمتی ہیں، نبی مصطفا برکت آن کی سیں دل کر صفا
کر ہے امروہا شہر، میرا وطن 140 جو دلّی کے نزدیک ہے، با امن
لکھا معجزہ، اس سبب میں جو پھر پڑھے فاتحہ کوئی میرے (اُپر)
یو تیری دعا حق کرے گا قبول کر دن حشر کے مجھ، نہ کرنا ملول
کر خیرات دیوے نبی نام پر وہ خیرات ہوئے (خدا) راہ پر
بکس کے ستر، عاقبت پائے گا 144 بہشتوں میں جا کر، ثمر کھائے گا

سال تصنیف، تعداد اشعار، سلام اور دُعا

سخاوت کرو اور کلمہ پڑھو اسی کے سبب ٹھار جنت کرو
کہیاں بیت (ں) یک سو اور چالیس چار نبی معجزے کا اسی میں بچار
گیارہ سو اوپر بیست سن تھے نبی اسی روز، قصہ کہا میں سبھی
پڑھو کلمہ سب مل، نبی کے جو نام
ز برکت محمد علیہ السلام

سراج اورنگ آبادی

نام سید سراج الدین اور سراج تخلص ہے ۱۱۲۸ھ مطابق ۱۷۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۳ء بہ مقام اورنگ آباد وفات پائی۔ ان کی شاعری صوفیانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ سراج نے غزلیں، قصیدے، مثنویاں، رباعیات اور ترجیع بند وغیرہ میں طبع آزمائی کی ہے۔ عبدالقادر سروری کا مرتب کردہ کلیات ۱۹۸۴ء میں ترقی اردو بیورو سے شائع کیا گیا ہے۔

سراج کا دیوان ۱۱۵۲ھ میں مرتب ہوا جب کہ ابھی ان کی عمر صرف ۲۴ سال کی تھی۔ زود نویسی میں سراج کا جواب نہیں۔ مثنوی بوستان خیال اس کی عمدہ مثال ہے ۱۱۶۲ اشعار پر مشتمل یہ مثنوی سراج نے ۱۱۶۰ھ میں دو دن کی مدت میں ختم کی۔ سراج کی غزلوں کی شہرت دور دور تک پھیلی خصوصاً ان کی غزل

خبرِ تحیرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

نے اردو دنیا میں دھوم مچادی۔ کئی نقادوں نے سراج کو شمالی اور جنوبی ہند کی اردو شاعری کا نکتۂ اتصال مانا ہے۔ پروفیسر محمد حسن کے الفاظ میں سراج اورنگ آبادی ماضی اور حال دونوں کے شاعر ہیں

"سراج اورنگ آبادی اس ادبی روایت کے وارث تھے جو صدیوں سے دکن میں فروغ پا رہی تھی۔ وجہی سے لے کر ولی تک یہ ادبی روایت نئی منزلیں طے کرتی رہی۔ ولی اور سراج اس روایت کا سلسلہ شمالی ہند کی شاعری سے ملاتے ہیں اس اعتبار سے شمالی ہند کے دورِ اول کے بازرقا امنتہ شاعر درد، میر، سے

کوئی بھی ان کے اثرات سے آزاد نہیں میرؔ، سوداؔ، دردؔ سبھی کے تصورات اور اسلوب بیان پر
سراج کے اثرات کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔ اس اعتبار سے سراج
اورنگ آبادی ہمارے ماضی کا حصہ بھی ہیں اور لمحۂ امروز کا بھی، کیوں کہ
ان کے تجربے اور مشاہدے، تخیل اور جذبے کی گرمی آج کے پڑھنے
والوں کے دلوں کو گرماتی اور تڑپاتی ہے۔" ص ۶

(انتخاب سراج اورنگ آبادی)

ترقی اردو بیورو سے شائع ہونے والا کلیات ۳۲۷ صفحات پر مشتمل ہے جس میں
۵۱۲ غزلیں ۱۱ مثنویاں کے علاوہ فردیات رباعیات! قصیدے، مستزاد، مخمسات،
ترجیع بند اور ۴ مناجاتیں بھی شامل ہے، حیات اور شاعری پر تبصرہ ۸۲ صفحات میں
کیا گیا ہے، پروفیسر عبدالقادر سروری نے اس کلیات کو بڑی محنت سے مرتب کیا ہے۔
سراج اورنگ آبادی کو زبان پر بہت زیادہ قدرت حاصل تھی ان کے صدہا اشعار ایسے
مل جاتے ہیں جن کو سمجھنے کے لیے لغت کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی اور ایسے محسوس ہوتا
ہے گویا کہ آج کے دور کا شاعر ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

ہے عجب اس کے لب کی بات لذیذ　　جیوں لگے شکر و نبات لذیذ
اس زنخداں کی چاہ جب سیں ہے　　نہیں مجھے چشمۂ فرات لذیذ
اس کوں لگتا ہے بے مزہ امرت　　ہے جیسے زہر تیرے ہات لذیذ
جب سیں پایا ہوں ہجر کی لذت　　نہیں مجھے شربت حیات لذیذ
اے سراج آرزوئے قند عبث　　شعر تیرا ہے جیوں نبات لذیذ

مثنوی بوستان خیال

حکایت بر سبیل تمثیل

کسی ملک کا ایک تھا بادشاہ — کہ تھا صاحبِ ملک و تخت و کلاہ
زبس تھا اوسے گنج و زر بے شمار — نہ تھا شغل اوسے جز شراب و شکار
اوسے خیر خواہ ایک دیوان تھا — کہ سب بات کا خان ساماں تھا
سو ایک روز تھا سیر میں بادشاہ — سب ارکانِ دولت طرف کر نگاہ
کیا یاد اوس گھر کے دیوان کو — وہ سب بات کے خان سامان کو
ضروری سرانجام کے واسطے — کسی لازمی کام کے واسطے
محل کی طرف حکم اوس کو ہوا — کہ تا حسب الارشاد لاوے بجا
بجا لا کے آداب تسلیم کے — ادا کر کے سب رسم تعظیم کے
محل کی طرف کو روانہ ہوا — اوسے واں کا جانا بہانہ ہوا
گیا بے خبر ڈیوڑھی کی طرف 10 — ہوا جا کے تیرِ بلا کا ہدف
کسی خوبصورت سہیلی کا ہات — کہ تھے اس میں کئی سحر جادو کے گھات
نظر بیچ آیا اوسے یک بیک — نہ دو ہات سب بلکہ پہونچے تلک
اسی ہات کو دیکھ بے خود ہوا — اسی بے خودی سے زمیں پر گرا
نہ ہلنے نہ چلنے کی طاقت رہی — نہ کچھ بات کرنے کی جرأت رہی
کیا جذبۂ عشق نے محو اوسے — ہوا ماسوا عشق سب محو اوسے
محل کی اصیلوں نے یہ حال دیکھ — وہ بیحال کے جان پر کال دیکھ

کسی نے تو سائے کا بوجھا خیال ‏ ‏ کسی نے کہا دھوپ کا ہے زوال
سرو چشم پر اوس کے چھڑکا گلاب ‏ ‏ کہ کم ہووے مگر گرمیِ آفتاب
جانا نہ بوجھا کسی نے وو راز ‏ ‏ کہ اوس شخص پر کیا ہے سوز و گداز
جب اس بات کی شاہ کو ہوئی خبر ‏ ‏ 20 ‏ ‏ سنا اوس کے احوال کو سر بسر
جو اس وقت پر اہلِ دربار تھے ‏ ‏ جہاں لگ امیرا اور سردار تھے
کہا سب کو وو صاحب تخت و تاج ‏ ‏ ہے اس شخص بیخود کا لازم علاج
طبیب اور سیانے جو ہیں شہر کے ‏ ‏ نہ اس شہر کے بلکہ سب دہر کے
سبھوں کو دکھاؤ کہ کیا ہے اسے ‏ ‏ مرض ہے اسے یا بلا ہے اسے
طبیبوں نے نبض اور سیانوں نے فال ‏ ‏ بہوت دیکھے لیکن نہ پائے وو حال
تو لاچار حیران ہو کر رہے ‏ ‏ ہوے لا علاج اور سبھوں نے کہے
مرض ہوے تو ہووے دوا کا اثر ‏ ‏ بلا ہووے تو ہووے دعا کا اثر
سو دونوں کے آثار اوس پر نہیں ‏ ‏ خدا جانے اوس کو ہوا کیا کہیں
ہمیں غیب کی بات معلوم نہیں ‏ ‏ جو کچھ فہم میں نیں سو مفہوم نیں
اوسے ایک تھا محرم و آشنا ‏ ‏ 30 ‏ ‏ نہ رہتا تھا ایک آن اس سے جدا
کہا کان میں اوس کے جا یہ سخن ‏ ‏ کہ اے یار جانی مری بات سن
اگر ہے ترے پر پری کا گزر ‏ ‏ وگر ہے ترے پر بلا کا اثر
پری کو جلاؤں میں شیشے میں لا ‏ ‏ بلا ہے تو لاؤں بلا پر بلا
اگر دل لگا ہے کسی سے ترا ‏ ‏ تو کہہ مجھ سے حاضر ہے یہ جی مرا
اگر حور ہے تو بلاؤں اوسے ‏ ‏ ہر اک وجہ تجھ سے ملاؤں اوسے
سنا اوس نے جب آشنا کی صدا ‏ ‏ مزاج اوس کا فی الجملہ آیا بجا
یکایک کیا آہ عالم گداز ‏ ‏ کہ اے یار مت سن مرے دل کا راز
سنے گا تو حیران ہو جائے گا ‏ ‏ سنے بعد آخر کو پچھتائے گا

نہایت بجد جب ہوا وو رفیق　　رفیقِ موافق انیسِ شفیق

تو آخر کو اپنا کہا حال سب　40　دو بیہوشی و بیخودی کا سبب

کہا اب تو اے یار بیتاب ہوں　　محبّت کا دکھ میں کب تلک سہوں

سہیلی ہے یا کئی حرم یا خواص　　کہ جس کا ہے وو ہات مقصود خاص

اگر شہ کو یہ راز ہوتے برملا　　تو ہے جان اور آبرو پر بلا

بہت غور کر، میں کیا دل میں سیر　　یہ سب جائے مقصد ملے سو بخیر

یہی دل میں آتا ہے ہر دم خیال　　کہ مرنا بھلا زندگانی ہے کالے

کہا یہ سخن اور اٹھا یک بیک　　گیا وھاں ستی توشے خانے تلک

وہاں سے لیا تین شیشے بھرے　　کہ تھے زہر قاتل ستی وو بھرے

ہر ایک شیشہ اوس کا ہزاروں کا مال　　ہر یک قطرہ اوس کا جو ہے جی کا کال

ہر یک کو بتدریج سب پی گیا　　کہ اُس دکھ سے بہتر اگر جی گیا

ہوا منتظر یہ کہ مرتا ہوں میں　50　دمِ واپسیں ہے کہ گنتا ہوں یں

ولیکن فلک اور بازی میں تھا　　عجب شکل کی کارسازی میں تھا

اُو سے زہر نے کچھ اثر نیں کیا　　ہلاہل ہوا اُوس کے حق میں غذا

زیادہ ہوئی بے قراری اُو سے　　ہوئی دونی بے اختیاری اُو سے

کہ اس زہر نے بھی کیا نیں اثر　　نصیبوں میں کیا ہے خدا کوں خبر

اسی بیچ شہ نے بلا رُو و برو　　کہا اُوس کو یک بار پُرخشم ہو

بدن کا تجھے ہرگز آزار نیں　　بلا اور رسائے کا آثار نیں

اگر تجکو خدمت سے انکار ہے　　عبث اس بہانے کا اظہار ہے

ترے بن سبھی بند ہیں کاروبار　　اگر نوکری نیں قبول، اختیار

ہے اشیا حوالے ترے جاں تلک　　فلانے کے تحویل کر یک بیک

وہی اب سرانجام خدمت کرے　60　وہی بریں خدمت کی خلعت کرے

کیا حکم جب اس طرح بادشاہ
ہوا تب تو لاچار و بے گناہ

جو کچھ توشے خانے کا اسباب تھا
دُر و لعل و یاقوت کا باب تھا

وو اشیا حوالے کیا سب اُوسے
مقرر ہوئی تھی وو خدمت جسے

وہی تین شیشے جو تھے زہر کے
نہ تھے زہر کے بلکہ تھے قہر کے

نہ پائے سو پرسش کیا بادشاہ
مقرر ہوا اُس کے ذمے گناہ

کہ اوّل تو اس سے بہانا ہوا
پھر اس پر ہزاروں کا نقصاں ہوا

ہوا حُکم اُوسے طوق و زنجیر کا
رہا کام وہاں عقل و تدبیر کا

سخن آبرو پر جب آیا اوسے
علاج اُس کا ہرگز نہ پایا اُوسے

تب آخر کو شاہِ جہاں دار سے
طبیبِ مریضِ دل افگار سے

کہا حال اوّل سے آخر تلک
جو کچھ اُس پہ گزرا تھا ہر پلک 70

بیاں بات کے دیکھنے کا تمام
اور اُس زہر پینے کا کیا تھا سو کام

کہ جاتی تھی اس وقت پر آبرو
اگر قتل کا حُکم ہووے تو ہو

یہ ناچیز جلنے سے مرنا بھلا
غمِ زندگانی بسر نا بھلا

سنا یہ سخن جب شہنشاہ نے
وو صاحب خرد باطن آگاہ نے

تحیر سے دانتوں میں انگلی لیا
کہ یہ شخص حیراں ہو کیوں کر جیا

کہ اس زہر کی نیں چڑھی اس کو لہر
چڑھا ہے مگر عشق کا اوس کو زہر

تب اُوس پر بہوت مہر آئی اوسے
کیا ہر طرح دل ربائی اُوسے

کہا اُوس محبت کے بیمار سے
وو ملکِ جنوں کے جہاں دار سے

کہ دیکھے وہی بات اگر تو کہیں
پچھانے گا اُوس بات کو یا نہیں

ہنسا سن کے یہ بات وو دردمند
کہ اے خسروِ عاقلِ ہوش مند 80

دوانہ ہوں جس بات کی بات کا
تو پھر پوچھتا کیا ہے اُس بات کا

یہی مدعا ہے مرا سر بسر
کب آویگا وو بات مجکو نظر

کہا شاہ نے اوس کو اے دردمند ‌ ‌ ‌ وہی ہات کو دیکھ، کر تو پسند

کسی کا بھی وو ہات ہووے اگر ‌ ‌ ‌ حوالے کروں گا ترے بیاہ کر

یہ کہہ کر اٹھا وو محل کی طرف ‌ ‌ ‌ کہا ہے جہاں لگ کہ عورت کی صف

حرم اور سہیلی کنیز اور خواص ‌ ‌ ‌ نہ تنہا یہی بلکہ منکوح خاص

ہر ایک ہات پردے سے اپنا دکھاؤ ‌ ‌ ‌ کہ کس ہات کا اُوس جگر پر ہے گھاؤ

ہریک ہات اپنا دکھانے لگی ‌ ‌ ‌ جو مقصد تھا اُوس کا بتانے لگی

ہریک ہات تھا پنجۂ آفتاب ‌ ‌ ‌ جسے دیکھ کر جاتے ہر دل سے تاب

ہریک ہات خورشید تھا دل فروز ‌ ‌ ‌ کہ تھا رشک سے دست موسیٰ کو سوز 90

اگرچہ ہریک ہات تھا دل نواز ‌ ‌ ‌ کہ واں ناز کرتا تھا کارِ نیاز

ولیکن وو بے تیغ بسمل کے تئیں ‌ ‌ ‌ شہیدِ کفِ دستِ قاتل کے تئیں

نہ تھا کچھ توجہ کسی ہات پر ‌ ‌ ‌ کھڑا تھا اُوسی ہات کی گھات پر

اُوسے تھا اُوسی ہات کا انتظار ‌ ‌ ‌ کہ جس نے کیا تھا اُوسے بے قرار

وو ہاتوں کا جس وقت میں تھا گزر ‌ ‌ ‌ یکایک وہی ہات آیا نظر

کہ جس ہات میں اس کا دل بند تھا ‌ ‌ ‌ محبت کی آتش کا اسپند تھا

اُوسی ہات کو دیکھ کر تھج گیا ‌ ‌ ‌ شہِ عشق کو پیش کش جی دیا

گیا مضطرب ہو کے شہ اُوسکے پاس ‌ ‌ ‌ کہ احوال اُوس کا کرے کچھ قیاس

سو کیا دیکھتا ہے کہ بے جان ہے ‌ ‌ ‌ چمن زندگانی کا ویران ہے

اودھر کو وو معشوقۂ دل فریب ‌ ‌ ‌ کہ تھا حسن کے مُلک کو جس سے زیب 100

کیا نشۂ یک دلی نے اثر ‌ ‌ ‌ برابر موے یہ اِدھر وو اُدھر

شہ اس حال کو دیکھ لرزاں ہوا ‌ ‌ ‌ نہ شہ بلکہ سب خلق حیراں ہوا

زبانِ قلم کو بھی طاقت نہیں ‌ ‌ ‌ لسانِ سخنور کو جرأت نہیں

کہ تا قصۂ عاشقی ہوتے تمام ‌ ‌ ‌ کرے داستاں عشق کی انصرام

ستاج اب عبث قصہ خوانی نہ کر ۔۔۔ سخن مختصر کر کہانی نہ کر
کسی اور کے حال سے تجھ کو کیا ۔۔۔ وہی سرگزشت اپنی لکھنے میں لیا
کہ پھر تجھ پہ کیا کیا ہوا اب تلک ۔۔۔ 107 حقیقت بیاں وار کہہ یک بیک

خطِ بندگی

عرض احوال کیا کروں جانی ۔۔۔ ہے زبانِ قلم کوں حیرانی
کر لکھے حرفِ درد کوں کیا کیا ۔۔۔ قصۂ رنگ زرد کوں کیا کیا
اس سبب شرح غم کوں کر موقوف ۔۔۔ عرض کرتا ہوں مطلب معروف
بھیج خط مجھ کوں سرفراز کیے ۔۔۔ پردۂ دوستی کوں واز کیے
شعلۂ شوق دل میں جلتا تھا ۔۔۔ خارِ غم کا جگر میں سلتا تھا
نامۂ لطف بھیج کر یک سر ۔۔۔ تیل ڈالے ہو آگ جلتی پر
زندگی سیں بہ تنگ ہو یارب ۔۔۔ جان جاتا ہے یار بن اب تب
ماہ رمضان مجھ کوں بھاری ہے ۔۔۔ اس کے وعدے کی انتظاری ہے
عید کے چاند کا درس پانے ۔۔۔ عید کب ہوئے گی خدا جانے
کب تلک حرف اضطراب کہوں ۔۔۔ 10 قصۂ دیدۂ پر آب کہوں
بندگی کا دیا ہوں خط لکھ کر ۔۔۔ روزِ اول سیں تجھ کوں اے دلبر
آرزو ہے مجھے ترا دیدار ۔۔۔ نظرِ التفات ہے درکار
دل ہوا دل ہوا کباب کباب ۔۔۔ لے خبر لے خبر شتاب شتاب

مثنوی سوز و گداز

اے صبا ہے وطن ترا گلزار
نام تیرا ہے پیک[1] خوش رفتار

تجھ سیں اک التماس رکھتا ہوں
یں نراسی[2] ہوں آس رکھتا ہوں

دردِ دل یار کوں گزارش کر
غم کے مظلوم کی سفارش کر

نشۂ غم مجھے دوبالا ہے
نور کا وقت ہے، اجالا ہے

دیکھ کر مجھ کوں اس قدر غمناک
صبح نے بھی کیا گریباں چاک

بن تجھے درد کا اثر نیں[3] ہے
حال میرے کی کچھ خبر نیں ہے

کیوں مرے پر تو رحم لاتی نیں
حال میرا اُسے سناتی نیں

جو برہ دکھ سہے وہی بوجھے
پن[4] تجھے آنکھ نیں تو کیا سوجھے

تجھ کوں کب درد کی اداسی ہے
توں ہمیشہ چمن کی باسی ہے

سُن غزل خوانی آہِ بلبل کی
باس لیتی ہے سنبل و گل کی 10

حق تجھے عشق سیں قریب کرے
تجھ کوں درد والم نصیب کرے

مجھ[5] سریکی اگر پریشاں ہوئے
تب مرے درد کی قدرداں ہوئے

غم سیں خالی نہیں ہے ہر ذرہ
سب پر آیا ہے عشق کا غرّا

تجھ پر آیا نہیں تو آوے گا
غم خزاں ہو کر رُخ دکھاوے گا

خوف کر، دیکھ حال میرے کوں
اس جُدائی کے کال میرے کوں

مہرباں ہو کے یار کوں جا بول
دلبرِ غم گسار کوں جا بول

---

[1] پیکر [2] ناامید [3] نہیں [4] پر [5] جیسی -

کہ ترے بن ہوں سرگرداں — آرسی کی مثال ہوں حیراں
دل کوں حسرت سیں آشنائی ہے — بسمل خنجرِ جدائی ہے
صبر و آرام سیں نہیں خورسند — صبر و آرام کی مجھے سوگند
زندگانی محال ہے مجھ کوں [20] — خواب گویا خیال ہے مجھ کوں
نیشِ غم دل میں جیوں کٹاری ہے — زخم کاری ہے اشک جاری ہے
ہے نپٹ دل خراش غم کی چھری — آزمایا ہوں میں بلا ہے بُری
کیا قیامت ہے اس چھری کی انی — جیوں کہ ہیرے کی آبدار کنی
غم کی برچھی لگی ہے سینے میں — زخم جیوں حرف ہے نگینے میں
سنگِ غم نے کیا ہے بسکہ وفور — شیشۂ دل ہوا ہے چکنا چور
ہوں نپٹ مضطرب تری سوگند — جیوں انگیٹھی میں آگ پر اسپند
جان جاتا ہے پیاس سیں جانی — اپنے دیدار کا پلا پانی
بے طرح پیاس ہے صنم مجھ کوں — حوضِ کوثر کی ہے قسم تجھ کوں
دل مِرا تیرے بن ہے رات اور دن — جیوں کہ مچھلی کا حال پانی بن
مجھ پہ ہر روز زور ماتم ہے [30] — غم کی شمشیر کی جھماجھم ہے
پار گذرا جگر سیں غم کا تیر — آلگا جان میں کلیجا چیر
عاشقی جب قرار کھوتی ہے — باغ، کانٹوں کی باڑ ہوتی ہے
عشق جب غم کے بیج بوتا ہے — پھول پھونے سربکا ہوتا ہے
سیرِ گلزار دل کوں بھاتی نیں — جب تلک باس تیری آتی نیں
سختی غم ستی نہ کر توں فرش — ہے دلِ عاشقاں خدا کا عرش
توں تغافل روا نہ رکھ مجھ پر — بے خطا ہوں خطا نہ رکھ مجھ پر
لاابالی نہو مرے سیں صنم — لاابالی پنے کی تجھ کوں قسم
جو گنہ گار ہوں تو تیرا ہوں — اور گرفتار ہوں تو تیرا ہوں
اے صنم جو ترا کہاتا ہے — عشق تیرے میں دل جلاتا ہے
اس پہ لازم نہیں ہے جور و ستم [40] — بلکہ واجب ہے اس پہ چشمِ کرم
مجھ کوں ہر وجہ سیں غلامی ہے — بندگی میں تری مدامی ہے

گر تغافل کرے تو کیا چارا
اور نوازش کرے تو ہے پیارا
ہر طرح سیں ہوں بندۂ بے زر
جان نثاری کی شرط ہے جیوں کر
میں ترے درس کا بھکاری ہوں
بلبلِ باغ بے قراری ہوں
حالِ دل پوچھ مہربانی سیں
یار جانی ہو یار جانی سیں
سن کہ میرا یہ نالۂ جاں سوز
رحم لاوے مہ جہاں افروز
ایک دن بے خودی کے عالم میں
پی مئے شوق مجلسِ غم میں
خبر دل سیں بے خبر ہو کر
غم سیں بے جان و بے جگر ہو کر
حق طرف عجز کا اٹھا کر ہات
یوں کہا میں زبانِ شوق سیں بات
کہ نپٹ بے قرار ہوں یا رب 50 روز و شب اشک بار ہوں یا رب
لب حسرت کوں میں چباتا ہوں
زخم غم کھا کہ تلملاتا ہوں
کب تلک قید غم سیں چھوٹوں گا
اپنے مطلب کا گنج لوٹوں گا
کب تلک یار رُخ دکھاوے گا
مجھ طرف مہرباں ہو آوے گا
کب کھلے گی مرادِ دل کی کلی
کب نظر آئے گی صنم کی گلی
اب نہیں مجھ کوں تاب دوری کی
دل کوں برداشت نیں صبوری کی
دور جب سیں وو سروِ دلجو ہے
قمری دل کوں ورد 'کوکو' ہے
اس تراسی کی آس کوں برلا
صورتِ مدعا مجھے دکھلا
جب کہا یوں جناب قادری میں
مثل پروانہ سوزشِ دل سیں
ہاتفِ غیب سیں ندا آئی
کہ نہو اس قدر توں سودائی
حق کی درگاہ لاابالی ہے 60 بندگی کب کسی کی خالی ہے
جس کوں جس بات کی طلب ہووے
ذاتِ حق کے طفیل سب ہووے
سلطنت کی جسے تمنا ہے
تخت و افسر اوسے مہیا ہے
ہے جسے آرزوئے خلدِ نعیم
اس نے پایا ہے کوثر و تسنیم
دوست کے بن جسے ہے غم کا خار
اس کوں حاصل ہے نعمتِ دیدار
پھول پاوے گا جس نے خار سہا
کہ "مع العسر یسر" حق نے کہا
ہے جدائی کے بعد عیش وصال
آخرش ہر زوال کوں ہے کمال

اس قدر بے قرار توں مت ہو — غم ستی اشک بار توں مت ہو
حق ترے یار کوں ملاوے گا — اس کے دیدار کوں دکھاوے گا
جب سیں آئی ہے یہ ندا مجھ کوں — نوبتِ عیش کی صدا مجھ کوں
تب سیں پھولوں میں نیں سماتا ہوں ۷۵ — پیرہن میں تو کب اماتا ہوں
دل خوشی نے کیا ہے گرچہ وفور — لیکن اب لگ ہے وو پیارا دور
گرچہ امید وصل ہے نزدیک — لیکن اب لگ ہے گھر مرا تاریک
شام کے وقت ہے امید چراغ — نہ ملے جب چراغ تب ہے داغ
کیا کروں فکر اس کے ملنے کی — اپنے مقصد کے پھول کھلنے کی
میں تمھارا غلام ہوں یارو — مجھ کوں موہن کے پاؤں پر وارو
آرزو ہے سجن ملاوا ہوئے — اس پردہ کا ٹک پھلاوا ہوئے
مئے دیدار یار جب پاوے — چشم دل کا خمار تب جاوے
کب تلک شرح اشتیاق کہوں — قصۂ سوزشِ فراق کہوں
حال میرا بیاں میں نیں آتا — حرف دوری کہا نہیں جاتا
دردِ دل مثنوی میں لایا ہوں 80 — غم کے طومار کوں سنایا ہوں
پردۂ رازِ دل کیا ہوں وعظ — نام اس کا رکھا ہوں "سوز و گداز"
خوب ہے اے سراج خاموشی — مست رہ پی کر جام بے ہوشی

میر تقی میر دہلوی

نام میر محمد تقی اور میر تخلص کرتے تھے۔ ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۷۲۲ء آگرے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام میر محمد علی اور لقب میر علی متقی تھا۔ وہ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے والے صوفی منش بزرگ تھے۔ اسی لیے علی متقی کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

میر نے چونکہ درویشانہ، صبر و قناعت اور راضی بہ رضا رہنے والے ماحول میں آنکھ کھولی تھی اس لیے یہی سب احساسات ان کے ذہن پر بھی اثر انداز ہوئے میر تقی میر اپنی والدہ کے پہلے لڑکے تھے اور ویسے بھی بچپن سے ہی زیادہ لاڈ پیار میں پرورش ہوئی تھی اس لیے بھی وہ کچھ زیادہ ہی اپنے وجود کو اہم سمجھنے لگے تھے۔ جس کی عکاسی ان کے کلام میں ملتی ہے۔ میر کے والد کے دوست سید امان اللہ نے بھی ان کی ناز برداریاں اٹھائیں۔ ایسے ماحول میں جب میر سنِ بلوغ کو پہنچے تو مزاج میں کچھ ضد اور خودسری شامل ہو چکی تھی۔

اچانک ہی سید امان اللہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ابھی میر کی نازک مزاج طبیعت اس مصیبت سے سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ ان کے والد بھی رحلت فرما گئے۔ اور ناز پروردہ میر پریشانیوں اور مصیبتوں کے سمندر میں ڈوب گئے۔ جو لوگ ابھی تک میر سے بڑے تپاک سے ملتے تھے وہ ان سے آنکھیں چرانے لگے۔ روزگار کی فکر میں

میر نے دہلی کا رخ کیا۔ وہاں وہ اپنے والد کے ایک دوست اور عقیدتمند خواجہ باسط سے ملے جو میر کو امیر الامرا، صمصام الدولہ کے پاس لے گئے۔ انھوں نے میر کا ایک روپیہ روزآنہ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ جس سے وہ صمصام الدولہ کی زندگی تک فیضیاب ہوتے رہے۔ اس وظیفے کے ختم ہونے کے چند مہینے بعد میر دہلی میں ہی اپنے سوتیلے ماموں خان آرزو کے یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ خان آرزو کا شمار دہلی کے مشہور و معروف علماء میں ہوتا تھا۔ ان ہی کی صحبت میں رہ کر میر کے علمی ذوق کو جلا ملی۔ دہلی میں میر ملازمت کی تلاش میں بھی سرگرداں رہے۔ لیکن دہلی کی حالت نادر شاہ کی قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی وجہ سے پہلے ہی ابتر تھی۔ اس لیے یہاں بھی انھیں کسی کی سرپرستی نہ ملی۔ ایک طرف تو انھیں ملازمت نہ ملنے کی پریشانی اور دوسری طرف آگرے میں اپنے اہل خانہ کی مصیبتوں کا خیال پریشان کیے رکھتا تھا۔ اسی پریشانی اور کس مپرسی میں الجھتے الجھتے ان پر جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ ڈاکٹر صفدر آہ کی تحقیق کے مطابق وہ تقریباً ۹ مہینے اس بیماری میں مبتلا رہے۔

کلام میر نے خوب شہرت پائی غزل گوئی کے تو وہ بادشاہ تھے ہی اُن کی مثنویاں بھی مقبول عام و خاص ہوئیں۔ در ہجو خانہ خود مثنوی کے انداز میں لکھی ہوئی گویا خود نوشت ہے۔ جو اُن کی زندگی کی مصیبتوں پریشانیوں کی علامت بن کر تخلیق ہوئی ہے۔

میر کی مثنویوں کے بارے میں پروفیسر سید محمد عقیل رقمطراز ہیں کہ:۔

"میر کی مثنویوں میں ان کے سماج کی تصویریں، ان کا قنوط، شخصی زندگی ان کے زمانے میں عشق کا نظریہ اور عاشق و معشوق کے کردار پوری طرح سے گردش کرتے نظر آتے ہیں۔" (اردو مثنوی کا ارتقاء صفحہ ۱۱۱)

میر کی سب سے طویل مثنوی شکار نامۂ اول ہے جس میں کل ۳۰۴ شعر ہیں اور مختصر مثنوی در تعریف آغا رشید خطاط ہے جس میں کل ۱۷ شعر ہیں۔

مثنوی در کاتب آغا رشید

(در تعریف آغا رشید کہ خطاط بود و بہ فرمائش میاں اعزّ الدین کہ فقیر و خوشنویس بودند)

میر خطاط یک قلم دیکھے
لیکن آغا سے لوگ کم دیکھے

یعنی عبدالرشید تھا استاد
خوشنویسی کی جن نے دی ہے داد

خط کی خوبی کا اس کے اب تک ڈھنگ
صفحۂ روزگار پر ہے رنگ

وہ تصرف کہیں جو کرتا ہے
شکل نقاش رنگ جو بھرتا ہے

حیرت افزا ہے حسن ہر تحریر
مشقی اس کی ہے قطعۂ تصویر

خطِ شیریں جو اس کا پاتے ہیں
ہم حلاوت بہت اٹھاتے ہیں

ہے قلم تو جادو ہے
مدِ جہاں ہے کسو کی ابرو ہے

لکھتا نہیں خفی کی وہ
خط ہے خوباں کی پشتِ لب کا وہ

ایسا لکھنا کسو کی طاقت ہے
ہے جلی بھی تو ایک یابت ہے

خط میں کیسا ہی کوئی کامل ہو ۱۵
اُس کا کب نقطۂ مقابل ہو

حرف کس کس ادا سے لکھتا ہے
کون ایسی صفا سے لکھتا ہے

ہے الفِ قامتِ نکورویاں
لام ہے زُلف سلسلہ مویاں

دال کا خم رہے ہے ایسا خوب
جیسے جھکتے ہیں مست ہو محبوب

میم جس لطف سے لبالب ہے
دہنِ تنگ مہ وشاں کب ہے

ہے کشش غازۂ تنِ خوباں
دائرہ دَور دامنِ خوباں

دائرہ نون اس نمط کھینچا
کہ خطِ دل براں پہ خط کھینچا

مدّعی کو جو خط دکھا دیں ہم
جیسے حرفِ غلط دکھا دیں ہم

مثنوی در ہجو خانۂ خود

کیا لکھوں میرؔ اپنے گھر کا حال
اس خرابے میں میں ہوا پامال

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسفِ جاں ہے

کوچۂ موج سے ہے آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ

چار دیواری سو جگہ سے خم
تر تنک ہو تو سو کھتے ہیں ہم

لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

کیا تھمے مینہ سقف چھلنی تمام
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام

اس چکش کا علاج کیا کریے
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے

جا نہیں بیٹھنے کو مینہ کے بیچ
ہے چکش سے تمام ایواں کیچ

آنکھیں بھر بھر کے یہ کہیں ہیں سب
کیوں کر پردا رہے گا یارب اب

جھاڑ باندھا ہے مینہ نے دن رات
گھر کی دیواریں ہیں کی جیسے پات 10

باؤ میں کانپتی ہیں جو تھر تھر
ان پہ رزدار رکھے کوئی کیوں کر

بیچ لے لے کے جوں توں چھوپا ہے
چھوپا کاہے کو ہے کہ تھوپا ہے

تس کو پھر پر چھتی بھی ہے ہی نہیں
ٹوٹا اک بوریا سا ڈالو کہیں

ڈھانکو دیوار یا اٹھا رکھو
یا ہمارے لیے بچھا رکھو

ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
سو شکستہ تر از دلِ عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک

کہیں گھونسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے

کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا

کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے
کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے

کونے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں 20

اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے | جی اسی حجرے ہی میں بھرتا ہے
رکھ کے دیوار ادھر اودھر سے | لا کے یارب بناؤں کس گھر سے
چارپائی جب اس میں بچھوائی | پہلے چل پاسہ ہی نظر آئی
سام ابرص کہ ہے دوائے خراج | ہر جگہ یاں سے ہے نمایاں آج
پیکر اپنی خدا نے رکھی ہے | ڈانس اک ایک جیسے مکھی ہے
آگے اس حجرے کے ہے اک ایوان | وہی اس ننگ خلق کا ہے مکان
کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ | اُس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کبھو کوئی سنپولیا ہے پھرے | کبھو چھت سے ہزار پا ہے گرے
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے | کوئی ذرا سا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مدِ نظر (30) | گھر کہاں صاف موت ہی کا گھر
مٹی تو وہ جو ڈالی چھت پر ہم | بھٹے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم
مضطرب ہو کے جو بچھائی بہت | ہر کڑی نے کڑی اُٹھائی بہت
پھر سے اس مٹی میں کرختی ہے | تختہ تختہ ہوئی یہ سختی ہے
ہوئیں اڑواڑیں پھر جو حد سے زیاد | چل ستون سے مکان دے ہے یاد
اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر | گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر
جیتے ہیں جب تلک نہیں پہنچے | ورنہ کیا بس ہے جو نہیں پہنچے
کنگنی دیوار کی نیٹ بے حال | پدڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
طوطا مینا تو ایک بابت ہے | تودنا پھدکے تو قیامت ہے
کیوں کہ ساون کٹے گا اب کی بار | تھرتھرا دے جھنجھیری سی دیوار
ہوگیا ہے جو اتفاق ایسا (40) | شاق گزرے ہے کیا کہوں کیسا
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب | اُڑ جھنجھیری کرا دن آیا اب
تیتری یاں جو کوئی آتی ہے | جانِ محزوں نکل ہی جاتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ | کہیں کھسکی تو ہے قیامت ننگ
ایک دن ایک کوا آ بیٹھا | بے گماں جیسے ہوا آ بیٹھا
چیل سے لوگ دوڑے کرتے شور | کہ نہ حائط میں کچھ رہا تھا زور

ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے
دوڑے اُچھلے کہ ہال ہال چلے

جونہی وہ زاغ چار پاؤں پھرا
ایک کالا پہاڑ آن گرا

مٹی اس کی کہیں کہیں بھسکی
جی ڈہا اور چھاتی بھی دھسکی

سان کر خاک لگ گئے دو چار
بارے جلدی درست کی دیوار

اچھے ہوں گے کھنڈر بھی اس گھر سے
برسے ہے اک خرابی گھر در سے (50)

اُکھڑے پکھڑے کواڑ ٹوٹی وصیار
زلفی زنجیر ایک کہنہ حدید

خاک لوہے کو جیسے کھاوے پاک
چھیڑ لیجے تو پھر نری ہے خاک

بند رکھتا ہوں در جو گھر میں رہوں
قدر کیا گھر کی جب کریں ہی نہ ہوں

گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور
ہے خرابی سے شہر میں مشہور

جس سے پوچھو اسے بتاوے شتاب
ساری بستی میں ہے یہی تو خراب

ایک چھپر ہے شہر دلی کا
جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا

بانس کی جا دیے تھے سرکنڈے
سو وے مینہوں میں سب ہوئے ٹھنڈے

گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب
پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب

مینھ میں کیوں نہ بھیگیے یک سر
پھونس تو بھی نہیں ہے چھپر پر

مٹی ہو کر گرا ہے سب والا
وہ رہے یاں جو ہووے ڈھب والا (60)

واں پہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا
یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا

حال کس کو ہے اولتی کا یاد
عمر ہی اس جھگڑے میں گئی برباد

کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالہ
کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لالا

ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
پیچ کوئی لڑاؤں فند کروں

یاں تو جھانکے ہزار ہیں تنہا
کچھ نہیں ہائے مجھ سے ہو سکتا

بس کہ بار رنگ ٹپکے ہے پانی
کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی

کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں
کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں

مجھ سے کیا واقعی ہوا چارا
آسماں جو پھٹے تو کیا چارا

یان جھینگر تمام چاٹ گئے
بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے

تنکے جاں دار ہیں جو بیش و کم
تن پہ چڑیوں کو جنگ ہے باہم (70)

ایک کھینچے ہے جو بچ سے کر زور
ایک گمری پہ کر رہی ہے شور

پوچھ مت زندگانی کیسی ہے
ایسے چھپّر کی ایسی تیسی ہے

کیا کہوں جو جفا چکش سے سہی
چارپائی ہمیشہ سر پہ رہی

بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو
کونے ہی میں کھڑا رہا یک سو

ڈیوڑھی کی ہے یہ خوبی در ایسا
چھپّر اس جو نچلے کا گھر ایسا

جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹی رہے ہیں جن کے پھاٹ

کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ روزِ سیاہ لاتا ہوں

کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے

80 ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر
ایک انگوٹھا دکھا دے انگلی پر

گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا

ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں
ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں

ہاتھ تکیے پہ گر بچھونے پر
کبھو چادر کے کونے کونے پر

سل سلایا جو پائنتی کے اور
وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور

توشک ان رگڑوں ہی میں سب پھاٹی
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی

جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان
ساری کھاٹوں کی چولیں نکلی ندان

نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو
پائے پٹی لگائے کونے کو

جب نہ تب پنڈے پر لیے پائے
سیتلا کے سے دانے مرجھائے

ہو یہ تنہا نہ بان میں کھٹمل
آنکھ منہ ناک کان میں کھٹمل

90 کہیں پھڑکا کہ جی سے تاب گئی
آنکھ سے تا نگاہ خواب گئی

ایک ہتھیلی پہ ایک گھائی میں
سینکڑوں ایک چارپائی میں

ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے
کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے

یہ جو بارش ہوئی تو آخرِ کار
اس میں سی سال وہ گری دیوار

آہ کھینچی خرابی کیا کیا نہ
تھے جو ہم سائے دے ہیں ہم خانہ

ایسے ہوتے ہیں گھر میں تو بیٹھے
جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے

دو طرف سے تھا کتوں کا رستا ۔۔۔ کاش جنگل میں جا کے میں بستا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دتکاروں ۔۔۔ ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں ۔۔۔ چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبتِ نغز ۔۔۔ کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز
100 وہ جو ایوان تھا حجرے کے آگے ۔۔۔ اس کے اجزا بکھرنے سب لاگے
کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا ۔۔۔ پانی جز جز میں اس کے بیٹھ گیا
کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا ۔۔۔ ناگہاں آسماں ٹوٹ پڑا
میں تو حیران کار تھا اپنا ۔۔۔ کوئی اس دم نہ یار تھا اپنا
اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یک سر ۔۔۔ خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر
چرخ کی کج روی نے پیسا تھا ۔۔۔ پر خدا میرا مجھ سے سیدھا تھا
کتنے اک لوگ اس طرف دھائے ۔۔۔ یا ملک آسماں سے آئے
مٹی لے لے گئے وہ ہاتھوں میں ۔۔۔ کام نے شکل پکڑی باتوں میں
صورت اس لڑکے کی نظر آئی ۔۔۔ ہم جو مرتے تھے جان سی آئی
آنکھ کھولی اِدھر اُدھر دیکھا ۔۔۔ اس خرابی کو بھر نظر دیکھا
110 قدرتِ حق دکھائی دی آ کر ۔۔۔ یعنی نکلا درست وہ گوہر
داشت کی کوٹھڑی میں لا رکھا ۔۔۔ گھر کا غم طاق پر اُٹھا رکھا
مومیائی کھلائی کچھ ہلدی ۔۔۔ فرصت اس کو خدا نے دی جلدی
غم ہوا سن کے دوست داروں کو ۔۔۔ پھر بندھا یہ خیال یاروں کو
کہ مری بود و باش یاں نہ رہے ۔۔۔ گو تصرف میں یہ مکاں نہ رہے
شہر میں جا بہم نہ پہنچی کہیں ۔۔۔ چار ناچار پھر رہا ہوں وہیں
اب وہی گھر ہے بے سر و سایہ ۔۔۔ اور میں ہوں وہی فرومایہ
دن کو ہے دھوپ رات کو ہے اوس ۔۔۔ خواب راحت ہے یاں سے سو سو کوس
118 قصہ کوتہ دن اپنے کھوتا ہوں ۔۔۔ رات کے وقت گھر میں سوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہے کاہے کا نام ہے گھر کا

مثنوی در ہجو خانۂ خود کہ

(بہ سبب شدّتِ باراں خراب شدہ بود)

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے — اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے
ظلمتیں اس کی سب پہ روشن ہیں — زندہ در گور ہم کئی تن ہیں
ہے جو سرکوب اک بڑی دیوار — واں سے جھانکو تو ہے اندھیرا غار
بخت بد دیکھ سارے پرنالے — اس کے معمار نے ادھر ڈھالے
اب جو آیا ہے موسمِ برسات — دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات
صحن میں آب نیزہ بالا ہے — کوچہ موج ہے کہ نالا ہے
مینھ میں گھر کے پانچ چھ چھپّر — ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پر
پر تلک تنکے تھے کچھ ایک نئے — سو وے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے
دل ہے کچھ مکڑیوں کا احساں مند — کہ جنھوں نے کیے ہیں جھانکے بند
پھوس کچھ ہے کہیں سو آٹا ہے — بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے 10
اڑ گئی گھاس مٹی ہے والا — ہے جو بندھن سو مکڑی کا جالا
اپنے بندھن سے جو کہ چھوٹا ہے — ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے
کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو — باندھتا ہوں مچان رہنے کو
بند جھانکوں کو کیجیے تا کے — یاں تو اک آسماں ٹوٹا ہے
ٹھیکی دینے کو جا اڑے ہیں ہم — سر پہ ٹھٹر لیے کھڑے ہیں ہم
ٹٹیاں تھیں جو آگے چھپّر کے — بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے
تا گلے سب کھڑے ہیں پانی میں — خاک ہے ایسی زندگانی میں
اب تو اپنا بھی حال ہے بدتر — سر پہ گٹھری ہے تسپہ چھپّر ہے
پانی بہہ کر جھجکا جو ہے دالان — سر پہ رہتا ہے طرۂ ایوان
چاک اس ڈول سے ہے ہر دیوار — جیسے چھاتی ہو عاشقوں کی فگار 20

متصل ٹپکے ہے نہ باراں ہے — گریۂ زار سوگواراں ہے
گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے — چھت بھی بے اختیار روتی ہے
مینھ یک بارگی جو ٹوٹ پڑا — کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
دا سے پایانِ کار ٹوٹ بہے — طاقچے بھر رہے تھے پھوٹ بہے
بہ گئے گولے تختے ڈوب گئے — غرض اجزائے سقف خوب گئے
موج خشتی ستون میں بیٹھی — جانِ غم ناک خون میں بیٹھی
لے گیا پیچ و تاب پانی کا — کوٹھری تھی حباب پانی کا
یوں دھنسا گھر کہ بارِ خاطر تھا — آہ کس کا غبارِ خاطر تھا
اکھڑی دہلیز سب منڈیر گری — لہر پانی کی جھاڑ دیتی پھری
ساری بنیاد پانی نے کاٹی — 30 — اینٹ کے گھر کو کر دیا ماٹی
جھک گئے سب ستون در بیٹھا — وہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا
جب اجارے پہ آ کے چھت ٹھہری — ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھہری
آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں — کسو ٹٹی پہ بیٹھ کر نکلیں
دب کے مرنے سے ڈوب مرنا خوب — ہے کنارا یہاں سے کرنا خوب
سن کے ہر اک کے جی میں ڈر آیا — خاطروں میں یہ حرف ٹھہرایا
گٹھری کپڑوں کی میں اٹھائی تھی — سر پہ بھائی کے چارپائی تھی
بوجھ کپڑوں کا جن نے باندھا تھا — اس کا سارا فگار کاندھا تھا
ساتھ کوئی چراغ لے نکلا — کوئی سر پر ایاغ لے نکلا
چھاج کی کر کے کوئی اوٹ چلا — مینھ کے مارے کوئی لوٹ چلا
منھ پہ چھلنی کو ایک نے روپا[1] — 40 — ایک نے سرکی کا کیا گھوپا
ایک نے چھینکے حال حال لیے — پائے پٹی گلے میں ڈال لیے
ایک نے بوریا لپیٹ لیا — اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا
اپنا اسباب گھر سے ہم لے کر — الگنی سب کے ہاتھ میں دے کر

---

[1] روکا

صف کی صف نکلی اس خرابی سے تا کہ پہنچیں کہیں شتابی سے
میر جی اس طرح سے آتے ہیں جیسے کنجر کہیں کو جاتے ہیں
جن نے اس وقت آنکھ کو کھولا ہنس کے بے اختیار وہ بولا
سن کے اس بات کو نزآئے ہم یارے اک بھائی کے گھر آئے ہم
تب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب 48. نہیں ملتا ہے گھر بہ قدر حباب
جس میں خوش یک نفس معاش کریں
طور پر اپنے بود و باش کریں

مثنوی کدخدائی بشن سنگھ

آؤ ساقی کہ بزم عشرت ہے چشم بد دور خوب صحبت ہے
از سر نو جواں ہوا ہے جہاں کدخدائی بشن سنگھ ہے یہاں

فرطِ شادی سے دل ہے جشن آباد ہر طرف ہے بہم مبارک باد
باؤ کرتی پھرے ہے پھول نثار گلشنِ دہر میں ہے تازہ بہار
آؤ مطرب لیے رباب اور چنگ کاڑھ مونہہ سے نوائے سیر آہنگ
شادمانی سے ہو نوا پرواز اہلِ مجلس ہیں گوش بر آواز
یاں سوا دل خوشی کے کام نہیں چپکے رہنے کا یہ مقام نہیں
آؤ ساقی کہ جمع ہیں احباب سب مہیّا ہیں عیش کے اسباب
لاوہ جوں آفتاب ساغرِ زر آبِ گل رنگ سے لبالب کر
آج جھوما ہے ابر بخشش زور 10 کچھ نظر ہے تجھے ہوا کی اور
دستِ راجہ ہیں ابرِ نیسانی متصل کرتے ہیں دُر افشانی
کہ چمن زار و دشت دل کش سیر ہیں نہال آج آشنا و غیر
گل نمط دل شگفتہ سب کے لیے خلعتِ فاخرہ سبھوں کو دیے
زر د گوہر دیے ز بس ساقی کچھ نہیں بحر و کان میں باقی
لا کہاں ہے وہ لالہ رنگ شراب جس سے مستِ گزارہ ہوں احباب

آ مغنی غزل سرائی کر　　کچھ مزہ سے بھی آشنائی کر
پڑھ غزل میر کی جو ہووے یاد　　اس کو اس فن میں کہتے ہیں استاد

ساقیا موسمِ جوانی ہے
کرو بادہ کی کامرانی ہے

دے پیالہ کہ نقلِ مجلسِ عیش　　خوب رویاں کی بدزبانی ہے
لاؤ آبِ کشادہ دل کو کھول　　20　عینِ الطاف و مہربانی ہے
روئے خوباں سے بزم کا ہے فروغ　　شمع خجلت سے پانی پانی ہے
رشکِ گلزار ہے یہ صحبتِ عیش　　شش جہت جوشِ گل فشانی ہے
آ مطرب ہوں زمزمہ پرداز　　دے بہارِ گزشتہ کو آواز
گل و لالہ پہ چشم باز کرے　　رنگِ صحبت کو دیکھ ناز کرے
چھیڑ سازِ طرب نوا کے تئیں　　باندھ آواز سے ہوا کے تئیں
وجد میں لاؤ مے پرستوں کو　　یاد دے ٹک سرود مستوں کو
آ ساقی کہ روشنی ہے خوب　　گرمِ عشرت ہیں ہر طرف محبوب
نارِ مشعل نے نائرہ کھینچا　　نور کو مہ نے دائرہ کھینچا
کثرتِ روشنی سے شب ہے روز　　خشتِ سیمیں ہے ماہِ دل افروز
صبحِ صادق کے منھ پہ کب ہے فروغ　　30　اس کو دعویٰ جو تھا وہ سب ہے دروغ
اب تو شیشہ شراب لا ساقی　　صحبتِ عیش کو جھکا ساقی
لاؤ رنگِ رخِ نکوباں کو　　مایۂ نازِ خوب رویاں کو
چاہیے ہے گلابیِ مئے ناب　　جام ہے چشمِ روشنی کا باب
اس پری کو نکال شیشہ سے　　رنگِ مجلس میں ڈال شیشہ سے
لطف کر ٹک وہ دل کی آسائش　　تا نظر آوے لطفِ آرائش
آ ساقی کہ ہوں تماشائی　　گرمِ خدمت ہے چرخِ مینائی
چل ہوائی سے شعلہ خیزی دیکھ　　آسماں کی ستارہ ریزی دیکھ
متصل چھوٹتے جو ہیں گے انار　　راہ و رستے ہوئے ہیں باغ و بہار
عشق ہے تازہ کارِ آتش باز　　پھول گل میں ہے رنگ رنگ اعجاز

دیکھ صنعت گریِ صنعت گر — 40 گُل کاغذ ہے غیرتِ گُل تر

دیکھ ساقی تزک سواری کا — چھوڑ آئیں گرد باری کا

چل گلابی کو ہاتھ میں لے لے — ایک دو جام متصل دے لے

فیل یوں ہیں گے جھومتے جاتے — جیسے آویں جوان مدھ ماتے

نوبتی اپنی اپنی نوبت ہے — صرف کر جو ہنر کی طاقت ہے

دور ہے اب سپہر کا دل خواہ — ہیں وضیع و شریف سب ہمراہ

اے سواری کا ٹک اصول بجاؤ — طبع موزون اہتزار میں لاؤ

ساتھ راجہ سوار ہوتا ہے — شہر باغ و بہار ہوتا ہے

جُلِ زربفت سے ہے فیل و نشاں — آگے مانند کوہ زر کے رواں

روز گوہر نثار کرتے ہیں — خلق کو مایہ دار کرتے ہیں

دیوے راجہ تو کیا لیا چاہے — 50 خوشہ خوشہ گہر دیا چاہے

پھیکتے ہیں جو دستہ دستہ گل — رہ گزر میں ہیں رستہ رستہ گل

برق پارہ جو جستہ جستہ ہیں — سیکڑوں ویسے بال بستہ ہیں

گردنوں میں پڑیں حمائلِ گل — ہیں جلو میں بصد شمائلِ گل

لاؤ ساقی گلِ گلاب شراب — دے مجھے اب کہن شتاب شتاب

ہے شگفتہ دماغ دل وا ہے — نشہ اس عیش کا دوبالا ہے

رائے صاحب لباس زرد در بر — نشۂ عیش و دل کسی در سر

زیر راں ایک اسپ خوش رفتار — گرم رفتن ہو تو ہے برق شعار

خوش سواری و خوش جلو خوش راہ — چھیڑ دیجے تو پھر نہ ٹھہرے نگاہ

کسمساتے میں ران کے اُڑ جائے — ہاتھ ہلتے ہی جیسے گل مڑ جائے

ہے تو گُل گوں بہار کا خوش رنگ — 60 کام ہے اس پہ اس کے حُسن سے تنگ

دور دوڑے اگرچہ اسپ خیال — بھول جاتا ہے اس کے آگے چال

ہے مرصع جو اس کی زین و لگام — چشم کرتے ہیں حشر کے ہر گام

باگ اس کی جو ٹک اُچک جائے — پارۂ برق سا چمک جائے

دے نہ وہ شیشہ اب جو باقی ہے — حُسن ایسا بھی اتفاقی ہے

جب سے ہے اُس جہاں کی آبادی ۔۔۔ تب سے ایسی نہیں ہوئی شادی

ہو مبارک یہ جشنِ خوش انجام ۔۔۔ دورِ گردوں بکامِ عیش مدام

آؤ ساقی پڑھیں غزل کوئی ۔۔۔ درمیاں اب نہیں خلل کوئی

موسمِ ابر ہے سبو بھی ہو ۔۔۔ گُل ہو گلشن ہو ایک تُو بھی ہو

کب تک آئینہ کا یہ حُسنِ قبول ۔۔۔ مُنھ ترا اس طرف کبھو بھی ہو

کس کو بُلبل ہے دم کشی کا دماغ ۔۔۔ 70 ۔۔۔ ہو تو گُل ہی کی گفتگو بھی ہو

ہے غرض عشق صرف ہے لیکن ۔۔۔ شرط ہے یہ کہ جستجو بھی ہو

ہو جو تیرا سا رنگ گل کا ہے ۔۔۔ دیکھیں ہم تب جب ایسی بُو بھی ہو

دل تمناکدہ تو ہے پہ یہاں ۔۔۔ ہے تو تیری بھی آرزو بھی ہو

سرکشی گل کی خوش نہیں آتی ۔۔۔ ناز کرنے کو ویسا رُو بھی ہو

پا سکے اِس کمر کو دستِ شوق ۔۔۔ جو نمایاں بقدرِ مُو بھی ہو

ردکشِ میرؔ ہوتے نا شاعر
جب اُٹھیں ویسی آبرو بھی ہو

مرزا محمد رفیع سودا

سودا کی تاریخ ولادت کہیں دستیاب نہیں ہوتی ۱۱۱۵ھ تا ۱۱۱۸ھ کی درمیانی مدت میں ان کی پیدائش ہوئی ہوگی۔ ۱۱۹۵ھ میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔ بہ قول محمد حسن:-

"سودا کی والدہ اورنگ زیب کے مشہور وقائع نگار اور مصاحب نعمت خاں عالی کی صاحبزادی تھیں، گویا سودا نے وراثت میں "مغلوں کا احساس جمال"، نفاست طبع حسن کے مادی روپ سے لگاؤ اور ارضیت پائی تھی۔ انھیں مغلوں کے نسلی افتخار، انفرادیت اور بانکپن بھی ورثے میں ملا تھا، اس سلیقہ مندی، خوش باشی اور نشاط زندگی کی پرچھائیاں ان کے ہاں بکھری ہوئی ہیں۔ (کلیات سودا جلد اول صفحہ ۵۰)

سودا اُردو کے ایک اہم شاعر کی حیثیت سے اپنا لوہا منوا چکے ہیں اور ان کا کلام اعلا اقدار کا حامل ہے، انھوں نے تقریباً ہر صنف، مثنوی، قصیدہ، غزل، رباعی، قطعہ وغیرہ میں اپنے جوہر آزمائے ہیں، قصائد، ہجو اور مدح نگار کی حیثیت سے خاص مقام حاصل کر لیا ہے، گو کہ ان کی غزلیں بھی بہت مشہور ہوئی ہیں۔ دہلی کے اس شاعر کی زندگی کا کچھ عرصہ فیض آباد، لکھنؤ اور فرخ آباد میں بھی گزرا۔ ان کی ایک مثنوی در بے نسقی شاہ جہاں آباد اور مثنوی در بیان شدت گرما یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

مثنوی در بے نسقی شاہ جہاں آباد

کیا ہوا یارو وہ نسق ہیہات — لیموں کے چور کا کٹے تھا ہات
باندھا جاوے تھا چور پگڑی کا — مارا جاوے تھا دزد لکڑی کا
تھا نہ رشوت سے کوتوال کو کام — نہ تھا عالم میں چوٹٹے کا نام

شہر میں کیا رہے تھے امن و امان
کیسی کرتی تھی خلق خوش گذراں

اب جہاں دیکھو واں جھمکا ہے
چور ہے ٹھگ ہے اور اچکا ہے

دیکھی ہم نے جو راہ چاوڑی کی
پشم ہے رہزنی تلاوڑی کی

فیض بازار کا جو سنیے بیان
ان نے نزدک کے کاٹ ڈالے کان

پٹری کے سودے کو جو واں جاوے
پگڑی کو سر کو پیٹتا آوے

کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال
شیدی کافور ہووے جب کتوال

10 چور کب اس کا زور مانیں ہیں
کالا بال اپنا اس کو جانیں ہیں

ہو یہ کتوال تو وہ مانیں زور
یہ تو چھتر کی جھول کا ہے چور

ان سے رشوت لیے یہ بیٹھا ہے
اس کے تو دل میں چور بیٹھا ہے

بازو کا مفسدوں کے زور ہے یہ
چور کا بھائی گٹھی چور ہے یہ

اپنے دروازے آگے رکھ نٹ کھٹ
کیسے ہیں ان نے گھر کے گھر چوپٹ

ٹھگ نہ تنہا چڑھے ہیں اس کی آنٹ
مل رہی ہے اچکوں سے بھی سانٹ

سر پہ یہ جس کے دیکھے اچھی شال
گویا وہ اس کے باپ کا ہے مال

گشت جب اس کا پھرنے آتا ہے
یہی ترسنگیا بجاتا ہے

سن لو چوروں سے مختصر قصہ
صبح کو بھیج دیجیو حصہ

جو نظر باز اس کا چترا ہے
خوب دیکھو تو جیب کترا ہے

20 جتنے نوکر ہیں اس کے خدمت گار
فن دزدی میں سب ہیں بانی کار

کسو کا گٹھ کٹ و تیرا ہے
کوئی بھٹرو اٹھائی گیرا ہے

جس کے گھر بیچ ان کا آ جائے
صاحب خانہ پر یہ آفت آئے

تا خبر دار گھر کا ہو صاحب
جو گھڑے پاندان تک غائب

ہینگے از بس یہ ہاتھ کے چالاک
ڈالیں ہیں اس کی آنکھوں میں بھی خاک

ٹک جو غافل یہ ان سے ہوتا ہے
تن کے کپڑوں کو اپنے روتا ہے

ایک دن ان نے سب سے طنز کی راہ
کہا تم ہو میرے پرٹ دلخواہ

چیز میری جو اب چراؤ تم
بیچنے چوک بیں نہ جاؤ تم

قیمت اس کی جو کچھ مشخص ہو ۔۔۔ اتنے کو تم اسے مجھی کو دو

ایک ان میں سے یہ سخن سن کر ۔۔۔ لگا کہنے کہ اس سے کیا بہتر

30 کیا جب آپ ہی نے یہ انصاف ۔۔۔ میں بھی کرتا ہوں عرض رکھیے معاف

آپ کے سر پہ یہ جو پگڑی ہے ۔۔۔ دو خریدار اس کے ہیں در پے

دس روپے وہ مجھے دلاتے ہیں ۔۔۔ کہیے اب آپ کیا لگاتے ہیں

دوسرے نے کہا کہ میں وہ غلام ۔۔۔ نہیں ہوں جس سے ہووے ایسا کام

پگڑی اُتار کھے نہ سر سے اُتار ۔۔۔ اور قیمت کا اس کی ہو تکرار

پر دوشالے کے تئیں لگا کر گھات ۔۔۔ آج جاگا کیا ہوں ساری رات

میری محنت پہ ٹک نظر کیجیے ۔۔۔ آگے جو دل میں آئے سو دیجیے

غرض اس گفتگو سے ہے یہ مآل ۔۔۔ واہ وا واہ رے ارے کتوال

شہر کے بیچ کیا کہوں میں اب ۔۔۔ روزِ محشر کی دھوم ہے ہر شب

شب ہے ترسنگیوں کی قال و قیل ۔۔۔ گویا پھونکتی ہے صور اسرافیل

40 کتے آہٹ سے ایسے بھونکیں ہیں ۔۔۔ مردے خوابِ عدم سے چونکیں ہیں

آنکھ تو کس بشر کی لاگے ہے ۔۔۔ چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگے ہے

آسماں پر بھی منعدم ہے خواب ۔۔۔ کھُلا رہتا ہے دیدۂ مہتاب

لاکھ بندوق رات کو چھوٹے ۔۔۔ کوٹھی پر ساہوکار کے کپنوٹے

ہیں یہ سرگرم دزدی بد انجام ۔۔۔ لوٹے ہے تا خزانۂ حمّام

بزم میں شب ہر ایک پیر و جوان ۔۔۔ بیٹھے ہیں کر کے رزم کا ساماں

تس پہ ہے یہ کہ ہر طرّۂ زر ۔۔۔ لگے ہے چور شمع کو آ کر

طرّۂ شمع یک طرف اے یار ۔۔۔ گم ہے خورشید کی ہی شب دستار

شام سے صبح تک یہی ہے شور ۔۔۔ دوڑیو گٹھڑی لے چلا ہے چور

صبح شبنم جو گل پہ ہوتی ہے ۔۔۔ بقچہ کو غنچہ کے وہ روتی ہے

50 مال صندوق میں رہے کس بھانت ۔۔۔ تن کے لتّوں پہ چور کا ہے دانت

اب تو درزی کا کچھ نہیں ہے ڈھنگ ۔۔۔ کہتے پھرتے ہیں چور ہو سرہنگ

رکھ سکے کون ہم سے ہو کے کرخت
جو نہ دے کپڑے ہم کو ہے کیا رخت

رات جو اپنے گھر میں کھنکارے
چور دروازے پر یہ بنکارے

ہو گی کب تک بچا خبرداری
چور جاتے رہے کہ اندھیاری

صاحبِ خانہ جو کوئی ہے اب
ہے خبرداری ہی میں روز و شب

آئینہ ٹک اگر تو دیکھے یار
اپنے گھر میں ہے وہ بھی چوکیدار

بے خطر دزدی سے کوئی نہ رہا
اہلِ میخانہ میں بھی ہے ہُو ہا

نہ ریاضت کو جاگتا ہے شیخ
ڈرے ہے چور آ نمازیں میخ

خلق جب دیکھ کر کے یہ بیداد
کرتی ہے کوتوال سے فریاد

60 بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار
گرم ہے چوٹٹوں کا یہ بازار

کرتے ہیں مجھ سے وہ بجا کر ڈھول
میری پگڑی کا میرے سر پر مول

اور کچھ چل سکے ہے میرا زور
دیکھو تو ٹک کہاں کہاں ہے چور

مٹ سکے مجھ غریب سے یہ خلل
ہے امیروں کے گھر میں چور محل

دیکھیے گر بتاں کو بھی بخدا
ہاتھ میں ہے انھوں کے دزد حنا

کس کو ماروں میں کس کو دوں گالی
چوری کرتے سے کون ہے خالی

چڑھ کے جب منفسدی پہ جاتا ہوں
وقت پر میں بھی دل چراتا ہوں

مچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ
ہے خدا کے بھی گھر میں چور کی تھانگ

بچ سکے کیوں کہ اب کسی کی شے
مُلّا مسجد کا صبح خیز یا ہے

کریں انصاف اب جوان و پیر
کیا ہے اس میں بھلا میری تقصیر

70 رتبۂ دزدی اس قدر ہے بلند
چرخ کے گھر پہ کہکشاں ہے کمند

یہ جو سودا بکے ہے لایعنی
آپ کرتا ہے دزدی معنی

مثنوی دربیانِ شدتِ گرما

کیوں ہوا اس قدر ہے عالم سوز
آتشنی رنگ پر ہے کیا نوروز

اب کے رت سے یہ ہوتے ہے معلوم
چمن آرا ہو شب برات کی دھوم

گرم ہے یہ بہار کا موسم
شاخِ گل پھلجھڑی سے کیا ہے کم

ہے پٹاخا چٹکنے وقت گلاب
کفِ نرگس پہ چھٹتی ہے مہتاب

دستۂ گل کا کیا کہوں میں رنگ
اس میں ہتھ پھول کے سے مینگٹے ڈھنگ

غنچے کھلتے ہیں یوں ہو آتشبار
گویا چھٹتا ہے داغنے میں انار

جلوے دیں یوں چنبیلی کے بوٹے
اس طرح جائے جوہی کب چھوٹے

نہیں گیندوں کے یہ چمن میں درخت
دی ہے آتش ستاروں کو یک لخت

کروصد برگ و جعفری پہ نظر
چھٹ رہی ہیں ہوائیاں منہ پر

یہی بولے ہے پانی پھر پھر کر
ہے چکا یو کا حوض گھن چکر 10

کیا میں فوارہ کا کہوں عالم
جوں بھنبیا چھٹے ہے لے کے دم

آوے ہے جس گھڑی طبیعت گل
گرم جوشی کو ٹک سوئے بلبل

ان کی صحبت میں باغباں چھوندر
چھوڑ دیتا ہے آ کے چھچھوندر

شور پانی کرے ہے رہ رہ کے
اس طرح چھوٹتے ہیں جوں پچھکے

سنگ پریوں ہے آبشار کی دھار
چھاتی پہ جوں گرے ہے نزلہ سحار

مرغِ آبی چمن میں اب جو ہے
منہ کھلا ہی رکھے ہے جوں لبطے

گر گزک پر ہو مینخوروں کا من
ہو رہے ہیں کباب مرغِ چمن

طوطی کی گر سنئے کوئی آواز
نوعی گویا پڑھے ہے سوز دگداز

باؤلا اب وہ ہی کہاتا ہے
تپ کے مارے جو بو کھلاتا ہے

طائروں تک ہے یہ ہوا کا اثر
پر قمری ہے مشت خاکستر 20

سرو کا حال کیا کروں میں بیاں
پاؤں اس کا ہے اور آب رواں

جوش ہے یہ بہار میں اس سال
لب جو پر ہے عکس گل تبخال

ہے عرق اوس سے گلوں کے تئیں
گرچہ پنکھا نسیم چھوڑتی نہیں

گرم گل کا نہیں فقط گلگوں
ہے جلو میں صبا کے سیکڑوں لوں

رنگ گل اس طرح درخشاں ہے
ہر خیابان یک چراغاں ہے

لالہ کے ہر چراغ پر اس آن
لٹ دھوئیں کی ہے شاخ نافرمان

ہے حرارت گلوں کو اب یہاں تک
نہیں شبنم یہ نکلی ہے چیچک

پانی کوں بلبلیں پھریں بھٹکی
طفل غنچے کو لگ گئی چٹکی

شاخ ہر گل کی ہو گئی گلریز
جل گیا آہ سبزۂ نوخیز

یہ نہ لالے کی پاتی جھڑتی ہے
آگ جامے سے نکلی پڑتی ہے 30

گیا تالاب میں ہر ایک کنول
کنول کاغذی کی طرح سے جل

جل گئیں بیلیں رہ گیا ہے کاٹھ
روشنی کا سا دار بست ہے ٹھاٹھ

بوند کو دل صدف کا ترسے ہے
ابر نیساں سے آگ برسے ہے

ہے پسینے سے میخوروں کا یہ حال
بادہ گویا ہے آب در غربال

منہ کو ساقی کے یوں وہ دیکھیں ہیں
آگ سے جوں جلے کو سینکیں ہیں

ہووے جس سال یہ بہار کا رنگ
آگے گرمی کا کیا کہوں میں ڈھنگ

شفق آفتاب شام و سحر
آگ دی ہے جہان کو یکسر

مہ کے پرتو کے کیا کروں تقریر
جوش کھا جوں اُبل چلے ہے شیر

ہیں سیہ چردہ اب جو یہ محبوب
اُن کی اوقات کا ہے یہ اسلوب

پُھنکنے ہاتھوں میں اور ہونکیں ہیں
رات دن کوئلے سے دھونکیں ہیں 40

پنکھے سے تو تسلی اب معلوم
دم عیسی بھی ہو تو ہووے سموم

ہے ہوائے تنور چرخ سیہ گرم
جو پڑے نان مہر ہو کم نرم

ساغر مہر گرم ہے یہاں تک
شیشۂ آتشی ہوا ہے فلک

رہے تب اور ہوا کی یہ تاثیر
غل دیوانہ ہے قلادۂ شیر

پی کے تبرید یوں کہے رنجور
شمع کو نفع کیا کرے کافور

گلخن گرم ہے زمین تمام
چرخ بے سرد خانہ یک حمام

صد کے پرتو سے مہر کی تب و تاب
ماہی جوں موج آب میں بے تاب

اب زمیں کا ربس پڑی ہے دھوپ
سرسوں کے کھیت کا سا ہے کچھ روپ

رہ نوردوں کی چال کا ہے یہ حال
بوں بجھاتی ہیں آگ چھل ابدال

50 سایہ کی تیرگی پہ کر توں نگاہ
قرب سے دھوپ کے ہوا ہے سیاہ

مہر سے ان دنوں ہیں آ کے بجاں
گل خورشید تک ہے رو گرداں

زمیں سمجھے ہے تفتگی سے ہر آن
توے کی بوند نوح کا طوفان

سو سمندر کا صرف کر کے جو آب
صحن یک خانہ کیجیے چھڑکاب

کیا عجب ہے نہ ہووے اتنا نم
خاک رہ جائے اڑنے سے یک دم

پانی پی پوچھتے عرق ہر چند
رسی کنکر کے کوزے کے مانند

خلق کا تشنگی سے ہے یہ حال
طفل کو مشک دو جواں کو پکھال

توبھی نیت انھوں کی بھرتی نہیں
پیاسے مرتے ہیں پیاس مرتی نہیں

پیالے پانی کے آرزو کے بیچ
خواہ گدلا ہو خواہ اس میں کیچ

شکل نرگس ہے سب کو حیرانی
نرخرے تک بھرا ہو گو پانی

60 یہی سوچے ہے دل میں تشنہ آب
بحر کو منہ لگاوے مثل حباب

رنگ یاقوت کا زبانی ہے
آب آتش کی زندگانی ہے

پانی کیسا ہے پیٹ میں ہو آب
شکل آئینہ خشک رہتے ہیں لب

چھوڑ کر حلق کو زبان کے خار
نکلے گردے سے طرح گل کے پار

ہوش جن بادہ خوروں میں کچھ ہے
کہتے ہیں وہ نہیں یہ شیشہ مے

بس کہ گرمی کی آن مانی ہے
شرم سے آگ پانی پانی ہے

آگ سے دن کی جل گئی ہے رات
ملے ہے اب سیاہی لے کے دوات

رات سووے زمیں پہ جو انساں
کروٹیں یوں لے جوں توے پر ناں

پسو جب کاٹے تب وہ مارے ہات — سر و سینے کو پیٹے ساری رات
گرمی پڑتی ہے یا خدا کا قہر — کیا کہوں تجھ سے میں کہ شہر بہ شہر
بادشاہوں کی بادشاہی ہے — اگیا بیتال کی دہائی ہے
بھیک مانگے ہے شہر میں جو فقیر — 70 دمبدم اس کی ہے یہی تقریر
کوئی بندہ خدا کا ایسا آئے — مجھ سے بے کس کے اب لگی کو بجھائے
ٹھیک ہوتی ہے جس گھڑی دوپہر — لگے ہے دھر دھر جلنے دَھر
چیلیں کیا انڈے چھوڑ بھاگیں ہیں — پر فرشتوں کے جلنے لاگیں ہیں
مہر ماتھے پہ اپنے پنجہ دَھر — کرے ذرّات پر جہاں کے نظر
غرض ایسی ہی دھوپ پڑتی ہے سخت — جن و انسان و وحش و طیر و درخت
ہاتھ اُٹھا کر کہیں ہیں مثل چنار — وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارُ
ہووے گرمی سے جب یہ حال جہاں — کہہ تو کوئی زندگی کرے سو کہاں
سرد خس خانہ بوچھنا ہے خبط — آگ اور پھوس میں ہے کچھ بھی ربط
غیرتہ خانہ خائے امن نہیں — 79 اب کچھ آرام ہے تو زیر زمیں

میر حسن دہلوی

میر حسن کا پورا نام میر غلام حسن ہے اور تخلص حسن۔ یہ شہر دہلی کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ میر حسن کے والد میر ضاحک بھی شاعر تھے اور دہلی ہی میں رہتے تھے، میر حسن بارہ سال کی عمر میں دہلی کی سیاسی حالت کی ابتری کی وجہ اودھ کے پایہ تخت فیض آباد منتقل ہو گئے وہاں نواب سالار جنگ بہادر کی نوکری کر لی ۱۷۷۵ء میں آصف الدولہ کے ساتھ لکھنؤ چلے آئے۔ ۶۱ سال کی عمر میں ۱۲۰۱ھ میں انتقال فرمایا۔

بہ قول پروفیسر ظہیر احمد صدیقی

"ان کی تصانیف میں ایک دیوان غزلیات، ایک تذکرہ (تذکرہ شعرائے اُردو) گیارہ مثنویاں اور کچھ قصائد ہیں، اس کے علاوہ کچھ مرثیوں کا بھی پتہ چلتا ہے" ص ۱۳

میر حسن کے کلام میں جو شہرت ان کی مثنوی سحر البیان کو نصیب ہوئی وہ کسی اور تصنیف کا مقدر نہیں بنی مثنوی سحر البیان ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۵ء آصف الدولہ کے عہد میں تصنیف ہوئی۔ یہ ایک عشقیہ داستان ہے جس نے عالم وجود میں آنے سے لے کر آج تک برابر داد تحسین حاصل کی ہے۔ اس کا شمار اُردو کے کلاسیکی ادب میں ہوتا ہے۔ یہ اپنے عہد کی تہذیب و تمدن اور روایات کی عکاسی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی کے الفاظ میں

"یہ ایک حسن و عشق کا افسانہ ہے مگر اس سے اس زمانے کے ماحول اور سوسائٹی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں جو جزئیات ہیں وہ نہ صرف، دلچسپ بلکہ پر از معلومات بھی ہیں۔ مثلاً قدیم زمانہ کا لباس"

شادی بیاہ کی رسمیں زیور۔ لوگوں کے رہنے سہنے کا طریقہ۔ غرض معلومات کا ایک دفتر ہے، جس کی دلچسپی کی کوئی حد نہیں ہے۔"

پروفیسر صاحب نے سحرالبیان کے دیباچے میں قصّہ کا خلاصہ یوں پیش کیا ہے:۔

"مثنوی سحرالبیان کا قصہ بالکل اسی انداز سے تو ہم کو کہیں نہیں ملتا۔ البتہ اس کے مختلف عناصر ہم کو پرانی داستانوں میں برابر ملتے ہیں۔ سحرالبیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ اولاد نہ ہونے کے سبب پریشان رہتا ہے۔ تمام آرائشوں اور راحتوں کے باوجود وارث تخت نہ ہونے کے سبب بے چین ہے۔ ایک نجومی کی پیشن گوئی کے مطابق اس کا بیٹا پیدا ہوتا ہے مگر اسی کی پیشن گوئی کے مطابق جوانی میں ایک پری پر عاشق ہو جاتا ہے جو شہزادے کو پرستان لے جاتی ہے اور پھر وہاں ایک کل کے گھوڑے پر سیر کرتے وقت وہ ایک شہزادی سے محبت کرتا ہے۔ اس کی خاطر قید برداشت کرتا ہے۔ آخرکار قید سے نجات پانے کے بعد اس کی شادی بڑی دھوم دھام سے شہزادی سے ہو جاتی ہے۔" (ص ۲۳ مثنوی سحرالبیان)

میر حسن کو اپنی اس مثنوی پر بڑا ناز تھا ان کا خیال تھا کہ انھوں نے سحرالبیان لکھ کر نئی زبان میں نئی طرز قایم کی ہے اور ان کا یہ ادبی کارنامہ جہاں میں ان کو زندہ جاوید کردے گا اور حقیقت میں یہی ہوا شعر ملاحظہ ہوں:۔

نئی طرز ہے اور نئی ہے زبان — نہیں مثنوی ہے یہ سحرالبیان
رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام — کہ ہے یادگارِ جہاں یہ کلام
ہر اک بات پر دل کو میں خون کیا — تب اس طرح رنگیں یہ مضمون کیا
اگر واقعی غور ٹک کیجیے — صلہ اس کا کم ہے، جو کچھ دیجیے
غرض جس نے اس کو سنا یہ کہا — حسن آفریں، مرحبا، مرحبا
جو منصف سنیں گے کہیں گے سبھی — نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی

انتخاب

مثنوی سحرالبیان

تعریف سخن

پلا مجھ کو، ساقی شرابِ سخن — کہ مفتوح ہو جس سے بابِ سخن
سخن کی مجھے فکر دن رات ہے — سخن ہی تو ہے، اور کیا بات ہے
سخن کے طلب گار ہیں عقل مند — سخن سے ہے نام نکو یاں بلند
سخن کی کریں قدر مردانِ کار — سخن، نام اُن کا رکھے برقرار
سخن سے وہی شخص رکھتے ہیں کام — جنھیں چاہیے ساتھ نیکی کے نام
سخن سے سلف کی بھلائی رہی — زبانِ قلم سے بڑائی رہی
کہاں رستم و کیو و افراسیاب — سخن سے رہی یاد بہ نقلِ خواب
سخن کا صلہ یار دیتے رہے — جواہر سدا مول لیتے رہے
سخن کا سدا گرم بازار ہے — سخن سنج اُس کا خریدار ہے
رہے جب تلک داستانِ سخن — ۱۵ الٰہی! رہیں قدردانِ سخن

مدح شاہ عالم بادشاہ غازی بہادر

خدیوِ فلک، شاہِ عالی گہر — زمین بوس ہوں جس کے شمس و قمر
جہاں اُس کے پرتو سے ہے کام یاب — وہ ہے برجِ اقلیم میں آفتاب
اُسی مہر سے ہے منوّر یہ ماہ — جہاں ہووے اور ہو جہاں دار شاہ
وہ مہرِ منور، یہ ماہِ منیر — اور اس کا یہ بخمِ سعادت وزیر

مدح وزیر آصف الدّولہ بہادر

فلک رتبہ، نوّابِ عالی جناب — کہ ہے آصف الدّولہ جس کا خطاب
وزیرِ جہاں، حاکمِ عدل و داد — ہے آبادیِ مُلک جس کی مُراد
جہاں، عدل سے اس کے آباد ہے — غریبوں، فقیروں کا دِل شاد ہے
پھرے بھاگتا مور سے فیلِ مست — زبردست، ظالم پہ ہے، زیردست
کتاں پر کرے مہ اگر بد نظر — تو آدھا اِدھر ہووے، آدھا اُدھر
کسی کا اگر مفت لے زلف، دل — تو کھایا کرے پیچ وہ متّصل 20
وہ انصاف سے جو گزرتا نہیں — کسی پر کوئی شخص مرتا نہیں
تو ہو باگ بکری میں کچھ گفت و گو — اگر اس کا چیتا نہ ہووے کبھو
گر آواز حُسن صید کی، پچھ کہے — تو باز آئے چپک کر بہری رہے
پھرے شمع کے گرد، گر آکے چور — صبا کھینچ لے جاوے اُس کو بہ زور
نہ لے جب تلک شمع پروانگی — پتنگے کے پر کو نہ چھیڑے کبھی
اگر آپ سے اُس پہ وہ آ گرے — تو فانوس میں شمع چھپتی پھرے
گراجیانا اُس کے جلیں بال و پر — تو گلگیر، لے شمع کا کاٹ سر
اُسے عدل کی جو طرح یاد ہے — کسے یاد ہے، یہ خُدا داد ہے
ستم اُس کے ہاتھوں سے رو دیا کرے — سَدا فتنۂ دہر سو یا کرے
گھروں میں فراغت سے سوتے ہیں سب — پڑے گھر میں چور اپنے روتے ہیں سب 30
وہ ہے باعثِ امنِ خرد و کلاں — کہ ہے نام سے اس کے مشتق اماں

بیانِ سخاوت

بیانِ سخاوت کروں گر رقم — تو دُر ریز کاغذ پہ ہووے قلم
نظر سے توجہ کی دیکھا جدھر — دیا مثلِ نرگس اُسے سیم و زر
سخاوت یہ ادنیٰ سی ایک اُس کی ہے — کہ اک دن دوشالے دیے رات سے
سوا اس کے، ہے اور یہ داستان — کہ ہو جس پہ قربان حاتم کی جان

ہوئی کم جو اک بار کچھ برشکال | گرانی سی ہونے لگی ایک سال
غریبوں کا دم سا نکلنے لگا | توکّل کا بھی پاؤں چلنے لگا
وزیر الممالک نے تدبیر کر | خدا کی دیا راہ پر مال و زر
محلے محلے کیا حکم یہ | کہ باڑے کی اس غم کے کھولیں گرہ
یہ چاہا کہ خلقت کسی ڈھب جئے | 40 ٹکے لاکھ لاکھ، ایک دن میں دیے
یہ لغزش پڑی ملک میں جو تمام | لیا ہاتھ نے اُس کے گرتوں کو تھام
یہ بندہ نوازی، یہ جاں پروری | یہ آئینِ سرداری و سروری
ہوئی ذات پر اُس سخی کی تمام | تکلّف ہے آگے سخاوت کا نام
فقیروں کی بھی یاں تلک تو بنی | کہ یک یک یہاں ہوگیا ہے غنی
یہ کیا دخل آواز دے جو گدا | چٹکنے کی گل کے نہ ہووے صدا
قدح لے کے نرگس جو ہووے کھڑی | تو خجلت سے جاوے زمیں میں گڑی
نہ ہو اس کا شامل جو ابرِ کرم | اثر ابرِ نیساں سے ہووے عدم
ہر اک کام اُس کا، جہاں کی مراد | فلاطوں طبیعت، ارسطو نژاد
جب ایسا وہ پیدا ہوا ہے بشر | تب اس کو دیا ہے یہ کچھ مال و زر

بیانِ شجاعت

لکھوں گر شجاعت کا اُس کی بیاں | 50 قلم ہو مرا رستمِ داستاں
غضب سے وہ ہاتھ اپنا جس پر اٹھائے | اجل کا تماچا قسم اُس کی کھائے
کرے جس جگہ زور اُس کا نمود | دلِ آہن اس جا پہ ہووے کبود
چلے تیغ گر اس کی روزِ مصاف | نظر آوے دشمن سے میدان صاف
اگر بے حیائی سے کوئی عدو | ملا دیوے اس تیغ سے مُنہ کبھو
تو ایسے ہی کھا کر گرے سر کے بل | کہ سر پر کھڑی اس کے رووے اجل
نہ ہو کیوں کے وہ تیغ برقِ غضب | کہ بُرّش کی تشدید، جوہر ہیں سب
ہوئی ہم قسم اُس سے تیغِ اجل | نکل آئے یہ، گر پڑے وہ اگل
لگا دے اگر کوہ پر ایک بار | گزر جائے یوں جیسے صابن میں تار

عضب سے غضب اس کے کانپا کرے — تہوّر بھی ہیبت سے اُس کی ڈرے

اور اس زور پر، ہے یہ علم و حیا — کہ ہے خلق کا جیسے دریا بہا — 60

جہاں تک کہ ہیں علم و کسب و کمال — ہر اِک فن میں ماہر ہے وہ خوش خصال

سخن داں، سخن سنج، شیریں بیاں — وزیرِ جہاں و وحیدِ زماں

سخن کی نہیں اس سے پوشیدہ بات — غوامض ہیں سب سہل اس کے نکات

سلیقہ ہر اک فن میں۔ ہر بات میں — نکلتی نئی بات دن رات میں

نہ ہو اُس کو کیوں کر ہوائے شکار — تہوّر شعاروں کا ہے یہ شعار

دلیروں کے تئیں ہے دلیروں سے کام — کہ رہتا ہے شیروں کو شیروں سے کام

شہاں[1] را ضرور است مشقِ شکار — کہ آید پی صیدِ دلہا بکار

کھلے بند جتنے ہیں صحرا میں صیاد — ہیں تواب کے دام الفت میں قید

زمہرش[2] دلِ آہواں سوختہ — بفتراک اور چشمہا دوختہ

شجاعت کا ہمت کا یہ کام ہے — درم ہاتھ میں ہے کہ یا دام ہے — 70

نہ ہوتا اگر اُس کو عزمِ شکار — درندوں سے بچتا نہ شہر و دیار

نہ بچتے جہاں بیچ خُرد و بزرگ — یہ ہو جاتے سب لقمۂ شیر و گرگ

یہ انسان پر اُس کا احسان ہے — کہ بے خوف انسان کی جان ہے

بنائی جہاں اس نے نخچیر گاہ — رہے صید واں آکے شام و پگاہ

رکھا صید بحری پہ جس دم خیال — لیا پشت پر اپنی ماہی نے جال

مگر اپنا دیتے ہیں جی جان کر — کہ ٹاپو پہ گرتے ہیں آن آن کر

نہ سمجھو نکلتی ہیں دریا میں سُوس — خوشی سے اچھلتی ہیں دریا میں سوس

پرندوں کا دل اُس طرف ہے لگا — پرندوں کو رہتی ہے اس کی ہوا

---

[1] بادشاہوں کو شکار کی مشق کرنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ شکاریوں کے شکار کے لیے ضروری ہے۔

[2] اس کی محبت میں ہرنوں کا دل جل رہا ہے اور وہ شکار بند میں گرفتار ہونے کے لیے آمادہ ہیں۔

پلنگوں کا ہے بلکہ چیتا بھی — لمرا باندھا دے ہماری وہی
کھڑے اَرنے ہوتے ہیں سر جوڑ جوڑ — کہ جی کون دیتا ہے بَدبَد کے ہوڑ 80
غبر اس کی سُن کر نہ گینڈا اچلے — کہ ہاتھی بھی ہو مست اینڈا پچلے
جو کچھ دِل میں گینڈے کے آدے خیال — تو بھاگے اُس آگے سپر اپنی ڈال
اطاعت کے حلقے سے بھاگے جو فیل — پلک اُس کی آنکھوں میں ہو تفتہ میل
سو وہ تو اطاعت میں یک دست ہیں — نشے میں محبت کے سب مست ہیں
اُسی کے یئے گو کہیں وے پہاڑ — قدم اپنے رکھتے ہیں سب گاڑ گاڑ
کہ شاید مشرّق سواری سے ہوں — سرافراز چل کر عماری سے ہوں
چلن جب یہ کچھ ہو ویں حیوان کے — تو پھر حق بہ جانب ہے انسان کے
کسے ہو نہ صحبت کی اُس کی ہوس — وے کیا کرے جو نہ ہو دست رس

عجز وانکسار مصنف اور عرض کرنا داستان کا

فلک بارگاہا، مَلک درگہا! — جُدا ہیں جو قدموں سے تیرے رہا
نہ کچھ عقل نے اور تدبیر نے — رکھا مجھ کو محروم تقدیر نے 90
پر اب عقل نے میرے کھولے ہیں گوش — دیا ہے مدد سے تری مجھ کو ہوش
سو میں اک کہانی بنا کر نئی — دُرِ فکر سے گوندھ لڑیاں کئی
لے آیا ہوں خدمت میں بہرِ نیاز — یہ اُمّید ہے پھر کہ ہوں سرفراز
مرے عُذرِ تقصیر ہو دیں قبول — بہ حقِّ علی و بہ آلِ رسول
رہے جاہ وحشمت یہ تیری مدام — بہ حقِّ محمّد علیہ السّلام
رہیں شاد وآباد کُل خیر خواہ — پھریں اس گھرانے کے دشمن تباہ
اب آگے کہانی کی ہے داستاں — ذرا سنیو دل دے کے اس کا بیاں

سواری شہزادہ بے نظیر جانب باغ

سُنہری رُپہری بھتیں عماریاں — شب و روز کی سی طرحداریاں
چمکتے ہوئے بادلوں کے نشان — سواروں کے غَٹ اور بانوں کی شان

100 ہزاروں تھی اطراف میں پالکی
جھلا بور کی جگمگی نالکی

کہاروں کی زربفت کی کرتیاں
اور اُن کے دبے پاؤں کی پھرتیاں

بندھیں پگڑیاں تاش کی سر اوپر
چکا چوندھ میں جس سے آوے نظر

وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے
جھلک جن کی ہر ہر قدم پر پڑے

وہ ماہی مراتب، وہ سردِ رواں
وہ نوبت کہ دولہا کا جس سے سماں

وہ شہنائیوں کی صدا خوش نوا
سہانی وہ نوبت کی اُس میں صدا

وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقار چی
قدم با قدم با لباسِ زری

بجاتے ہوئے شادیانے تمام
چلے آگے آگے ملے شاد کام

سوار اور پیادے، صغیر و کبیر
جلو میں تمامی امیر و وزیر

وہ نذریں کہ جس جس نے تھیں ٹھانیاں
شہ و شاہ زادے کو گزرانیاں

110 ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار
چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام
لباسِ زری میں مُلَبّس تمام

طرق کے طُرق اور پرے کے پرے
کچھ ایدھر اُدھر کچھ ورے کچھ پرے

مُرصّع کے سازوں سے کُوتل سمند
کہ خوبی میں روح القدس سے دو چند

وہ فیلوں کی اور میگ ڈمبر کی شان
جھلکتے وہ مُقیّش کے سائبان

چلے پایہ تخت ہو کے قریب
بہ دستورِ شاہانہ نپتے جریب

سواری کے آگے گئے اہتمام
لیے سونے روپے کے عاصے تمام

نقیب اور جلودار اور چوب دار
یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار

اُسی اپنے معمول و دستور سے
ادب سے، تفاوت سے اور دُور سے

بلو، نوجوانوں! بڑھے جائیو
دو جانب سے باگیں لیے آئیو

120 بڑھے جائیں آگے سے چلتے قدم
بڑھے عمر و دولت قدم با قدم

غرض اس طرح سے سواری چلی
کہے تو کہ بادِ بہاری چلی

تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم
ہر اک طرف تھی ایک عالم کی دھوم

لگا قلعے سے شہر کی حد تلک
دُکانوں پہ تھی بادلے کی جھلک

کیا تھا زبس شہر آئینہ بند
ہوا چوک کا لطف واں چار چند

منڈھے تھے تمامی سے دیوار و در — تمامی وہ تھا شہر، سونے کا گھر
رعیت کی کثرت، ہجومِ سپاہ — گزرتی تھی رک رک کے ہر جائگاہ
ہوئے جمع کوٹھوں پہ جو مرد و زن — ہر اک سطح تھا جوں زمینِ چمن
یہ خالق کی حُسنِ قدرت کاملہ — تماشے کو نکلی زنِ حاملہ
لگا شیخ سے تا ضعیف و نحیف — تماشے کو نکلے وضیع و شریف
وحوش و طیوروں تلک بے خلل — پڑے آشیانوں سے اپنے نکل 130
نہ پہنچا جو اک مُرغِ قبلہ نما — سو وہ آشیانے میں تڑپھا کیا
زبس شاہ زادہ بہت تھا حسیں — ہوئے دیکھ عاشق کہیں و مہیں
نظر جس کو آیا وہ ماہِ تمام — کیا اُس نے جھک جھک کے اس کو سلام
دُعا شاہ کو دی کہ بارِ الٰہ! — سدا یہ سلامت رہیں مہر و ماہ
یہ خوش اپنے مہ سے رہے شہریار — کہ روشن رہے شہر، پروردگار
غرض شہر سے باہر اک سمت کو — کوئی باغ تھا شہہ کا، اس میں سے ہو
گھڑی چار تک خوب سی سیر کر — رعیت کو دکھلا کے اپنا پسر
اسی کثرت موج سے ہو سوار — پھر اشہر کی طرف وہ شہریار
سواری کو پہنچا گئی فوج اُدھر — گئے اپنی منزل میں شمس و قمر
جہاں تک، کہ تھیں خادمانِ محل — خوشی سے وہ ڈیوڑھی تک آئیں نکل 140
قدم اپنے حجروں سے باہر نکال — کیا سب نے آ پیشوا حال حال
بلائیں لگیں لینے سب ایک بار — کیا جی کو یک دست سب نے نثار
گیا جب محل میں وہ سروِ رواں — بندھا ناچ اور راگ کا پھر سماں
پہر رات تک پہنے پوشاک وہ — رہا ساتھ سب کے طرب ناک وہ
قضارا، وہ شب تھی شبِ چار دہ — پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ
نظارے سے تھا اس کے دل کو سرور — عجب عالمِ نور کا تھا ظہور
عجب لطف تھا سیرِ مہتاب کا — کہے تو کہ دریا تھا سیماب کا
ہوا شاہ زادے کا دِل بے قرار — یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار
کچھ آئی جو اس مہ کے جی میں ترنگ — کہا آج کوٹھے پہ بچھے پلنگ

خواصوں نے جا، شاہ سے عرض کی ۱۵۰ کہ شہزادے کی آج یوں ہے خوشی

ارادہ ہے کوٹھے پہ آرام کا کہ بھایا ہے عالم لبِ بام کا

کہا شہ نے: اب تو گئے دن نکل اگر یوں ہے مرضی، تو کیا ہے خلل

پھر، اتنا ہو، اُس سے خبردار ہوں جنھوں کی ہے چوکی، وہ بیدار ہوں

لبِ بام پر جب یہ سووے صنم کریں سورۂ نور کو اُس پہ دَم

تمھارا مرا پُول بالا رہے یہ اِس گھر کا قایم اُجالا رہے

کہا تب خواصوں نے حق سے امید یہی ہے کہ ہم بھی رہیں رو سفید

پھریں حکم لے واں پھر شاہ کا بچھونا کیا جا کے اُس ماہ کا

قضارا۔ وہ دن تھا اُسی سال کا غلط وہم ماضی میں تھا حال کا

سخن مولوی کا یہ سچ ہے قدیم کہ "آگے قضا کے، ہوا احمق حکیم"

بڑے اپنے اپنے جو سب عیش بیچ ۱۶۰ نہ سوجھی زمانے کی کچھ اُونچ نیچ

یہ جانا کہ یوں ہی رہے گا یہ دَور زمانے کا سمجھا اُنھوں نے نہ طور

کہ اس بے وفا کی نئی ہے ترنگ یہ گرگٹ بدلتا ہے ہر دَم میں رنگ

کہ[1] آیادۂ عیش در جام ریخت کہ صد شام بر فرقِ صبحش نہ بیخت

ندا[2] آری تعجب ز نیرنگِ دہر کہ آرد زیک حُقّہ تریاک و زہر

داستان حالت تباہ کرنے ماں باپ کی شاہ زادے کے غائب ہونے سے

شتابی مجھے ساقیا! دے شراب کہ یہ حال سُن کر۔ ہوا دل کباب

یہاں کا تو قصّہ میں چھوڑا یہاں ذرا اب سنو غم زدوں کا بیان

کروں سال ہجراں زدوں کا رقم کہ گزرا جُدائی سے کیا ان پہ غم

کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں تو دیکھا کہ وہ شاہ زادہ نہیں

نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہ رو نہ وہ گُل ہے اُس جا، نہ وہ اس کی بو

---

۱ زمانہ نے کسی کے پیالہ میں ایسی شراب نہیں انڈیلی کہ پھر اس کی صبح سے سب پر شام کی تاریکی مسلط نہ کر

۲ زمانہ کی نیرنگیوں پر تعجب نہ کر کہ وہ ایک ہی ڈبہ سے تریاق بھی نکالتا ہے اور زہر بھی

رہی دیکھ یہ حال حیرانِ کار ۔ 170 کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی ۔ کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلاتی سی پھرنے لگی ۔ کوئی ضعف ہو ہو کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ، دل گیر ہو ۔ گئی بیٹھ ، ماتم کی تصویر ہو
کوئی رکھ کے زیرِ زنخداں چھڑی ۔ رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی
رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب ۔ کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب
کسی نے دیئے کھول سنبل کے بال ۔ تپانچوں سے جوں گل کیے سرخ گال
نہ بن آئی کچھ ان کو اس کے سوا ۔ کہ کہیے یہ احوال اب شہ سے جا
سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر ۔ گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر!
کلیجا پکڑ ماں تو بس رہ گئی ۔ کلی کی طرح سے بکس رہ گئی
ہوا گم وہ یوسف، پڑی یہ جو دھوم ۔ 180 کیا خادمانِ محل نے ہجوم
کہا شہ نے واں کا مجھے دو پتا ۔ عزیزو! جہاں سے وہ یوسف گیا
گئیں لے وہ شہ کو لبِ بام پر ۔ دکھایا کہ سویا تھا یاں سیم بر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا ۔ کہا ہائے بیٹا، تو یاں سے گیا!
مرے نوجواں! میں کدھر جاؤں پیر ۔ نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر!
عجب بحرِ غم میں ڈبویا ہمیں ۔ غرض جان سے تو نے کھویا ہمیں
کروں اس قیامت کا کیا میں بیاں ۔ ترقی میں ہر دم تھا شور و فغاں
لبِ بام کثرت جو یک سر ہوئی ۔ تلے کی زمیں ساری، اوپر ہوئی
نسب آدھی وہ جس طرح سوتے کٹی ۔ رہی تھی جو باقی، سو روتے کٹی
عجب طرح کی شب تھی ہیہات وہ ۔ قیامت کا دن تھا، نہ تھی رات وہ
سحر نے کیا جب گریباں چاک ۔ 190 اڑانے لگے مل کے سب سر پہ خاک
اٹھا شر برپا ہر طرف شور و غل ۔ کہ غائب ہوا اس چمن سے وہ گل
غم و درد سے دل جو سب کا بھرا ۔ ہوا باغ سارا وہ ماتم سرا
گیا جب کہ وہ سرو آزاد باغ سے ۔ نظر پھول آنے لگے داغ سے
اکھڑا گئے سرو سب اپنا جو ۔ اڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول

صدا اب جو کوئی انھوں کی سُنے　　تو کُو کُو سے اُن کی، جگر تک بُھنے
ہوئے خشک اور زرد سارے نہال　　ثمر نگ کے پاتوں ہوئے پائے مال
ترانے سے بُلبُل کا جی ہٹ گیا　　گلُوں کا جگر، درد سے پھٹ گیا
تبسّم کلی حزن سے بھول گئی　　بیا غم سے ازبس لہو، پھول گئی
اُڑا نور نرگس کی آنکھوں کا سب　　ہوئے بال سُنبل کے، ماتم کی شب
تب ہو کے اڑنے لگی گرد، گرد　　200 گلِ اشرفی کا ہوا رنگ زرد
لگی آگ لالہ کے دِل کو تمام　　دیا آگ میں پھینک عشرت کا جام
پڑا ماتم اُس باغ میں بس کہ سخت　　ہوئے نخلِ ماتم، تمامی درخت
گرے غم سے انگور، مد ہوش ہو　　پڑے سائے سارے سیہ پوش ہو
لگے تھے جو پتے درختوں کے ساتھ　　وہ ہل ہِل کے ملتے تھے آپس میں ہاتھ
وہ لب ریز جو نہر تھی جا بہ جا　　سو، آنکھوں کو وہ رہ گئی ڈبڈبا
اُچھلتے تھے فوّارے اس کے جو وال　　گئی سب نکل اُن کی تاب و تواں
مژہ پر جو کچھ اشک تھے، جھڑ گئے　　غرض روتے روتے گڑھے پڑ گئے
ہوا حال چشموں کا یاں تک تباہ　　گیا رخت پانی سے اپنا سیاہ
کہاں وے کنویں اور کدھر آبشار　　کوئی دل ہی رو دے، کوئی ڈھاڑھ مار
نہ بگلوں کا عالم، نہ وہ قرقرے　　210 نہ دے آبجوئیں، نہ سبزے ہرے
جہاں رقص کرتے تھے طاؤسِ باغ　　لگے بولنے اُن منڈیروں پہ زاغ
سہانی وہ چھائیں جو دل چسپ تھیں　　سو کیا ہو کہ اب دل لگے واں کہیں
منقش جہاں تھے وہ رنگین مکاں　　ہوئے سب وہ جوں دیدۂ خوں چکاں
گلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دل　　سو دے سب خزاں سے ہوئے مضمحل
خزاں کا علم واں جو آکر گڑا　　جگر برگِ گل کی طرح جھڑ پڑا
نہ غنچہ، نہ گل، نے گلستاں رہا　　فقط دل میں اک خارِ ہجراں رہا
وزیروں نے جو دیکھا احوال شاہ　　کہ ہوتی ہے اب اس کی حالت تباہ
کہا سب نے سمجھا کے اُس شاہ کو　　کہ دیکھو گے تم اپنے اُس ماہ کو
اگرچہ جُدائی گوارا نہیں　　ولیکن جدائی سے چارا نہیں

سدا ایک سا دن گزرتا نہیں ؎220 کوئی ساتھ مرتے کے، مرتا نہیں
نہیں خوب اتنا تمھیں اضطراب نصیبوں سے شاید ملے وہ شتاب
خدا جانے اب اس میں کیا بھید ہے یہ کہتے ہیں، جیتوں کو اُمّید ہے
مدام کرتا کرد گار جہاں دریں آشکارا چہ دار نہاں
خدا کی خدائی تو معمور ہے غرض، اس کے نزدیک کیا دُور ہے
نہیں ایک صورت پہ کوئی مدام اُسی کی غرض ذات کو ہے قیام
یہ کہہ، اور شہ کو بٹھا تخت پر بہر نوع رہنے لگے یک دگر
لٹایا بہت باپ نے مال و زر ولیکن نہ پائی کچھ اُس کی خبر

دیا شنکر نسیم لکھنوی

پنڈت دیا شنکر نام اور نسیم تخلص ہے۔ خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے۔ ۱۸۱۱ء میں پیدا ہوئے ۱۸۴۳ء میں وفات پائی۔ کم عمری ہی میں اپنی مثنوی کی وجہ سے بہت شہرت پائی ان کا سب سے بڑا کارنامہ مثنوی گلزار نسیم ہے ۲۷ سال کی عمر میں انھوں نے یہ مثنوی لکھی۔ اگر دیا شنکر کی عمر دراز ہوتی تو اُردو شاعری کا سرمایہ مالا مال ہو جاتا۔ گلزار نسیم کے قصہ کو نثر میں مذہب عشق کے نام سے نہال چند لاہوری نے قلمبند کیا تھا جسے تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ نسیم نے نظم کا جامہ پہنایا ان کی شاعرانہ صلاحیت نے مثنوی کو چار چاند لگا دیے اور اس کا شمار اُردو کی صفِ اول کی مثنویوں میں ہونے لگا۔ اس کے فنی محاسن میں اختصار پسندی بھی شامل ہے، قدیم مثنوی نگاروں میں ملا وجہی، مقیمی، صنعتی وغیرہ نے بھی اختصار پسندی کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ اپنی مثنویوں میں برتا بھی ہے، پروفیسر سید عقیل رضوی نے نسیم کی اختصار پسندی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"گلزار نسیم کا دوسرا حسن اس کا اختصار ہے اتنی بڑی داستان کو اتنے کم اشعار میں اس طرح مختصر کر کے لکھنا اور اس کا بھی خیال رکھنا کہ کوئی کڑی ایسی نہ چھوٹ جائے جو قصہ کو بے مزہ کر دے آسان کام نہیں تاہم یہ اختصار کہیں کہیں مطلب خبط کر دیتا ہے اور پڑھنے والے کو اپنی طرف سے بہت کچھ شامل کرنا پڑتا

ہے۔ جہاں اس اختصار کا اچھا استعمال ہے وہاں یہ مثنوی بے مثل ہے بہت سی ایسی باتوں کو جسے میر حسن وغیرہ نے آٹھ دس اشعار میں نظم کیا ہے نسیم صرف ایک شعر میں نظم کرتے ہیں۔"
(اُردو مثنوی کا ارتقاء شمالی ہند میں ص۲۰۲)

اس مثنوی میں کردار نگاری اور جذبات کی ترجمانی کی بہترین مثالیں ملتی ہیں دیا شنکر نے گل بکاولی کے قصّہ کو اس مثنوی کے ذریعہ مقبولیت کا جو شرف عطا کیا بہت کم قصّوں کو نصیب ہوا۔ یہ مثنوی بار بار شائع ہوتی رہی ہے۔ معرکۂ شرر و چکبست نے بھی گلزار نسیم اور سحر البیان کو چار چاند لگا دیے۔ یہ دونوں قصّے مافوق الفطرت کرداروں اور واقعات سے آگے بڑھتے ہیں مگر اِن مثنویوں کے ذریعہ اپنے دَور کی لکھنوی تہذیب و تمدن کی جھلکیاں محفوظ ہو گئی ہیں۔

انتخاب

مثنوی گلزارِ نسیم

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری — ثمرہ ہے قلم کا حمدِ باری
کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر — حمدِ حق و مدحتِ پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے — یعنی کہ مطیعِ پنجتن ہے
ختم اِس پہ ہوئی سخن پرستی — کرتا ہے زباں کی پیش دستی

خواستگاری جنابِ باری سے مثنوی گلزارِ نسیم کی ترتیب کے واسطے

یارب! مرے خامے کو زباں دے — منقارِ ہزار داستاں دے
افسانۂ گُلِ بکاولی کا — افسوں ہو بہارِ عاشقی کا
ہرچند سنا گیا ہے اِس کو — اُردو کی زبان میں سخن گو
وہ نثر ہے، دادِ نظم دوں میں — اس مے کو دو آتشہ کروں میں
ہرچند اگلے جو اہلِ فن تھے — سلطانِ قلمروِ سخن تھے
آگے ان کے فروغ پانا — 10 سورج کو چراغ ہے دکھانا
پر، بحرِ سخن سدا ہے باقی — دریا نہیں کار بندِ ساقی
مخفے سے زبانِ نکتہ چیں روک — رکھ لے مری اہلِ خامہ میں نوک
خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر — نیرنگِ نسیمِ باغِ کشمیر
نکلے ہوں پسند خوش بیانی — جدول ہو حصارِ سحر خوانی
جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے — مرکز پہ کشش مری پہنچ جائے

داستان تاج الملوک شاہزادے اور زین الملوک بادشاہِ مشرق کی

رو دادِ زماں پاسبانی — یوں نقل ہے خامے کی زبانی

پورب میں ایک تھا شہنشاہ — سلطاں زین الملوک، ذی جاہ

لشکر کش و تاجدار تھا وہ — دشمن کش و شہریار تھا وہ

خالق نے دیئے تھے چار فرزند — دانا، عاقل، ذکی، خردمند

نقشا ایک اور نے جمایا — 20 — پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا

اُمید کے نخل نے دیا بار — خورشید حمل ہوا نمودار

وہ نور کے صدقے مہر انور — وہ رخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر

نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو — چشمک تھی نصیب اس پدر کو

خوش ہوتے ہی طفلِ مہ جبیں سے — ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے

پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو — پھر دیکھ نہ سکے گا کسی کو

نظروں سے گرا وہ طفل ابتر — مانندِ سرشکِ دیدۂ تر

پردے سے نہ دایہ نے نکالا — پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

تھا افسرِ خسرواں وہ گلفام — پالا تاج الملوک رکھ نام

جب نامِ خدا جواں ہوا وہ — مانندِ نظر رواں ہوا وہ

آتا تھا شکار گاہ سے شاہ — 30 — نظارہ کیا پدر نے ناگاہ

صاد آنکھوں کے دیکھ کر پسر کی — بینائی کے چہرے پر نظر کی

مہرِ لبِ شہ ہوئی خموشی — کی نورِ بصر سے چشم پوشی

دی آنکھ جو شہ نے رونمائی — چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی

ہر چند کہ بادشہ نے ٹالا — اُس ماہ کو شہر سے نکالا

گھر گھر یہی ذکر تھا، یہی شور — خارج ہوا نورِ دیدۂ کور

آیا کوئی لے کے نسخۂ نور — لایا کوئی جا کے سرمۂ طور

تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور — بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور

ہوتا ہے وہی، خدا جو چاہے — مختار ہے، جس طرح نباہے

جانا چاروں شاہزادوں کا بہ تلاشِ گلِ بکاؤلی کو

پایا جو سفید چشمِ صفا
یوں میلِ قلم نے سرمہ کھینچا

تھا اک کحّال پیرِ دیریں 40
عیسیٰ کی تھیں اس نے آنکھیں دیکھیں

وہ مردِ خدا بہت گراہا
سلطاں سے ملا، کہا کہ شاہا!

ہے باغِ بکاؤلی میں اک گل
پلکوں سے اسی پہ مار چنگل

خورشید میں یہ ضیا کرن کی
ہے مہر گیا اسی چمن کی

اس نے گلِ ارم بتایا
لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا

شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار
رخصت کیے شہ نے چار ناچار

شاہانہ چلے وہ لے کے ہمراہ
لشکر، اسباب، خیمے، خرگاہ

وہ بادیہ گردِ خانہ برباد
یعنی تاج الملوک ناشاد

میداں میں خاک اڑا رہا تھا
دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا

پوچھا تم لوگ خَیل کے خَیل
جاتے ہو کدھر کو صورتِ سیل؟

بولا لشکر کا اک سپاہی 50
جاتی ہے ارم کو فوج شاہی

سلطاں زین الملوک شہ زور
دیدارِ پسر سے ہو گیا کور

منظور علاجِ روشنی ہے
مطلوب گلِ بکاولی ہے

گُل کی جو خبر سُنائی اس کو
گلشن کی ہوا سمائی اُس کو

ہمراہ کسی لشکری کے ہوکر
قسمت پہ چلا یہ نیک اختر

غلام ہو جانا چاروں شاہزادوں کا چوسر کھیل کر دلبر بیسوا سے

نقطوں سے قلم کی مہرہ بازی
یوں لاتی ہے رنگِ بد طرازی

یک چند پھرا کیا وہ انبوہ
صحرا صحرا و کوہ در کوہ

بلبل ہوئے سب ہزار جی سے
گُل کا نہ پتا لگا کسی سے

وارد ہوئے اک جگہ سرِ شام
فردوس تھا اس مقام کا نام

اک نہر تھی شہر کے برابر
چھٹکے ستارے کہکشاں پر

اک باغ تھا نہر کے کنارے ۶۰ | جو یائے گُل اُس طرف سدھارے
دلبر نام ایک بیسوا تھی | اس ماہ کی واں محل سرا تھی
دروازے سے فاصلے پہ گھر تھا | نقارہ، چوبدارِ در تھا
بے جا و بجا نہ سمجھے ان جان | نقارہ بجا کے ٹھہرے نادان
آواز پہ وہ لگی ہوئی تھی | آپ اُن کے ٹھاٹ دیکھتی تھی
جس شخص کو مال دار پاتی | باہر سے اُسے لگا کے لاتی
بٹھلا کے جوئے کا ذکر اٹھا کر | چوسر میں وہ لوٹتی سراسر
جیت اس کی تھی، ہاتھ جو کچھ آتا | اُس کا کوئی ہتھکنڈا نہ پاتا
بلّی کا سر، چراغ داں تھا | چوہا، پاسے کا پاسباں تھا
اُلٹاتے اُڑی پہ قسمت آسا | بلّی جو، دیا، تو موش، پاسا
جیتے ہوئے بندے تھے ہزاروں ۷۰ | قسمت نے پھنسائے یہ بھی چاروں
صیّادنی، لائی پھانس کر صیّاد | کرسی پہ بٹھائے نقشِ اُمّید
گھاتیں ہوئیں دل ربائیوں کی | باتیں ہوئیں آشنائیوں کی
رنگ اس کا جما، تو لا کے چوسر | کھیلی وہ کھلاڑ بازی بدکر
وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل سمجھے | بازی چوسر کی کھیل سمجھے
مغرور تھے مال و زر پہ کھیلے | ساماں ہارے، تو سر پہ کھیلے
بدبختی سے آخری جوا تھا | بندہ ہونا، بدا ہوا تھا
دو ہاتھ میں، چاروں، اس نے لوٹے | پنجے میں پھنسے، تو پکّے چھوٹے
ایک ایک سے رات بھر نہ چھوٹا | پَو پھٹتے ہی، جُگ اُن کا ٹوٹا
زنداں کو چلے مچل مچل کر | نردوں کی طرح، پھرے نہ چل کر
لشکر میں سے جو گیا سوئے شہر ۸۰ | پانی سا پھرا نہ جانبِ نہر

جیتنا تاج الملوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاشِ گلِ بکاولی میں

لانا زر گل، جو ہے اِرَم سے | یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سے
وہ ریگِ رواں کا گرد لشکر | یعنی تاج الملوکِ ابتر

حیران ہوا کہ یا الٰہی — لشکر پہ یہ کیا پڑی تباہی
اٹھا کہ خبر تو لیجیے چل کر — گزرا درِ باغِ بیسوا پر
حیران تھا یہ بلند پایہ — نکلی اندر سے ایک دایہ
لڑکا کوئی کھو گیا تھا اس کا — ہم شکل یہ مہ لقا تھا اُس کا
بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا؟ — فرزند اِسی شکل کا تھا میرا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد — طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
لیکن یہ میں جانتا ہوں دِل گیر — مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر
90 بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اُس کو — گھر لائی ہنسی خوشی سے اُس کو
چلتے تھے اُدھر سے دو جواری — ایک ایک کی کر رہا تھا خواری
کہتے تھے فریب دو گے کیا تم! — شہزادے نہ ہم، نہ بیسوا تم
ذکر اپنے برادروں کا سُن کر — بولا وہ عزیز سُن تو مادر!
کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے — شہزادوں کو جس نے زچ کیا ہے؟
بولی وہ کہ ہاں، جُوا ہے بدکام — دلبر، اک بیسوا ہے خود کام
بلّی پہ چراغ رکھ کے شب کو — چوسر میں وہ لوٹتی ہے سب کو
پاسے کی ہے کل، چراغ کے ساتھ — وہ بلّی کے سر، یہ چوہے کے ہاتھ
شہزادے کہیں کے تھے بد اقبال — بندھے ہوئے، ہار کر زر و مال
بھائی تھے، بجوشِ خوں کہا جائے — صدمہ ہوا، درد سے کہا ہائے
100 پاسے کا، چراغ کا الٹ پھیر — سوجھا نہ انھیں یہ دیکھو اندھیر
سوچا وہ کہ اب تو ہم ہیں آگاہ — جیتے ہیں، تو جیت لیں گے ناگاہ
اک بلّی جھپٹی، چوہے کو بھانپ — نیولے نے بھگا دیا، دکھا سانپ
سمجھا وہ کہ ہے شگوں نرالا — نیولا پکڑ، آستیں میں پالا
چوسر ہی کے سیکھنے کو یکسر — گھوما وہ بہ رنگِ نرد گھر گھر
اک روز اُسے مل گیا امیر ایک — وہ صاحب جاہ، دل سے تھا نیک
اشراف سمجھ کے، لے گیا گھر — بخشا اسے اسپ و جامہ و زر
اُس گُل کے جو ہاتھ میں زر آیا — جاں بازی کو سوئے دلبر آیا

ملتی تھی کھلاڑ، ڈنکے کی چوٹ | نقارۂ و چوب میں چلی چوٹ
آواز وہ سُن کے، در پہ آئی | ہمرہ اُسے لے کے، اندر آئی
110 کام اس کا تھا بس کہ کھیل کھانا | چوسر کا جما وہ کارخانہ
وہ چشم و چراغ بیسوا کے | کرنے لگے تاک جھانک آ کے
نیولا وہ کہ مارِ آستین تھا | چٹکی کے بجاتے ہی، وہیں تھا
بلّی تو چراغ پا تھی خاموش | بِل ہو گیا موش کو فراموش
ہنس ہنس کے، حریف نے رلایا | مانندِ چراغ اسے جلایا
ہارے، بہ ہزار بد دماغی | لی خضر نے غول سے چراغی
پاسے سے چلی نہ جعل سازی | اجڑی وہ، بسا بسا کے بازی
سب ہار کے نقد و جنس ہارے | جیتے ہوئے بندے، ہار کے، ہارے
بنیاد جو کچھ تھی، جب گنوائی | تب خود وہ کھلاڑ مہرے آئی
پھر پاسے نے کی نہ پاسداری | ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری
120 پاسے کی بدی ہے آشکارا | راجہ نل، سلطنت ہے ہارا
دانا تو کرے کب اس طرف میل | ہارا ہے جوئے کے نام سے بیل
ہارے، دیکھا جو بیسوا نے | بندہ کیا غیر کا خدا نے
سوچی کہ نہ اب بھی چال رہیے | شادی کا مزہ نکال رہیے
بولی بہ ہزار عجز و زاری | تم جیتے میاں، میں تم سے ہاری
لونڈی ہوں، نہیں ہے عار مجھ کو | خدمت میں کرو قبول مجھ کو
بولا وہ کہ سُن، یہ ہتھکنڈے چھوڑ | نقارۂ در کو چوب سے توڑ
یہ مال، یہ زر، یہ جیتے بندے | یونہی یہیں رکھ بہ جنس، چندے
بالفعل اِرَم کو جاتے ہیں ہم | ان شاء اللہ آتے ہیں ہم
بولی وہ سنو تو بندہ پرور! | گلزارِ اِرَم ہے پریوں کا گھر
130 انسان و پری کا سامنا کیا! | مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا!
شہ زادہ ہنسا، کہا کہ دلبر! | کچھ بات نہیں، جو رکھیے دل پر
انسان کی عقل اگر نہ ہو گم | ہے چشمِ پری میں جائے مردم

یہ کہہ کے اُٹھا، کہا کہ نوجوان! — جاتے ہیں، کہا خدا نگہبان

جُز جیب، نہ مال پر پڑا ہاتھ — جُز سایہ، نہ کوئی بھی لیا ساتھ

درویش تھا بندۂ خدا وہ — اللہ کے نام پر چلا وہ

پہنچنا تاج الملوک کا سرنگ کھدوا کر باغ بکاولی میں اور گل لے کر پھرنا

کرتا ہے جو طے سوادِ نامہ — یوں حرف ہیں نقشِ پائے خامہ

وہ دامنِ دشتِ شوق کا خار — یعنی، تاج الملوکِ دل زار

ایک جنگل میں جا پڑا۔ جہاں گرد — صحرائے عدم بھی تھا جہاں، گرد

سایے کو پتا نہ تھا شجر کا — عنقا، تھا نام جانور کا

مرغانِ ہوا تھے ہوش راہی — نقشِ کفِ پا تھے ریگ ماہی 140

وہ دشت، کہ جس میں پُر تگ و دو — یا ریگِ رواں تھی، یا وہ رہرو

ڈانڈا تھا ارم کے بادشا کا — اک دیو تھا پاسباں بلا کا

دانت اُس کے، گورکن قضا کے — دو نتھنے: رہ عدم کے ناکے

سر پر پایا بلا کو اُس نے — تسلیم کیا قضا کو اُس نے

بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک — فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک

بے ریشہ، یہ طفل نوجواں تھا — حلوائے دُود بے گماں تھا

بولا کہ چکھوں گا میں یہ انساں — اللہ اللہ! شکر، احساں

شہزادہ کہ مُنہ میں تھا اجل کے — اندیشے سے رہ گیا دہل کے

پَل مارنے کی ہوئی جو دیری — سبحان اللہ، شان تیری!

اُشتر کئی جاتے تھے اُدھر سے — پُر آرد و روغن و شکر سے 150

وہ دیو لپک کے مار لایا — غُراتے ہوئے شکار لایا

اونٹوں کی جو تُو تھیں دیو لایا — دَم اُس کا نہ اِس گھڑی سمایا

تیورا کے وہیں وہ بار بر دوش — بیٹھا، تو گرا، گرا، تو بے ہوش

چاہا اس نے کہ مار ڈالو — یا بھاگ سکو، تو راستا لو

وہ اونٹ تھے کاروانیوں کے — سب ٹھاٹ تھے پیمانیوں کے

میدا بھی، شکر بھی، گھی بھی پایا — خاطر میں یہ اس بشر کی آیا
میٹھا، اس دیو کو کھلاؤ — گڑ سے جو مرے، تو زہر کیوں دو
حلوے کی پکا کے اک کڑاہی — شیرینی دیو کو چڑھائی
ہرچند کہ تھا وہ دیو کڑوا — حلوے سے کیا منھ اس کا میٹھا
کہنے لگا کیا مزہ ہے دل خواہ — 160 اے آدمی زاد واہ وا واہ!
چیز اچھی کھلائی تو نے مجکو — کیا اس کے عوض میں دوں میں تجکو!
بولا وہ، کہ پہلے قول دیجے — پھر جو میں کہوں، قبول کیجے
وہ ہاتھ پر اس کے مار کر ہاتھ — بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ
بولا وہ، کہ قول اگر یہی ہے — بد عہدی کی، پر نہیں سہی ہے
گلزار ارم کی ہے مجھے دھن — بولا کہ ارے بشر، وہ گلبن!
خورشید کے ہم نظر نہیں ہے — اندیشے کا واں گزر نہیں ہے
واں موجِ ہوا! ہوا پہ اژدر — واں ریگِ زمیں! زمیں پہ اخگر
ہوتا نہ جو قول کا سہارا — بچتا نہ یہیں تو، خیر، ہارا
رہ جا، مرا بھائی ایک ہے اور — شاید کچھ اس سے بن پڑے طور
اک ٹیکرے پہ گیا، بلایا — 170 وہ مثلِ صدائے کوہ آیا
حال اس سے کہا، کہ قول ہارا — ہے پیر، یہ نوجواں، ہمارا
مشتاق ارم کی سیر کا ہے — کوشش کرو، کام خیر کا ہے
حمالہ نام، دیونی ایک — چھوٹی بہن اس کی تھی بڑی نیک
خط اس کو لکھا بہ ایں عبارت — اے خواہر مہرباں! سلامت
پیارا ہے مرا یہ آدمی زاد — رکھیو اسے، جس طرح مری یاد
انسان ہے چاہے کچھ جو سازش — مہماں ہے، کیجیو نوازش
خط لے کے، بشر کو لے اڑا دیو — پہنچا حمالہ پاس بے ریو
بھائی کا جو خط بہن نے پایا — بھیجے ہونے کو گلے لگایا
اس دیونی پاس اک حسیں تھی — زنبور کے گھر میں انگبیں تھی
محمودہ نام، دخترِ آدم — 180 لے آئی تھی، دے کے دیونی دم

جوڑا ہم جنس ہاتھ آیا   محمودہ کے گلے لگایا

دن بھر تو الگ تھلگ ہی تھے وہ   دو وقت سے، شام کو ملے وہ

تھے ضبط وحیا کے امتحاں میں   پردہ رہا ماہ میں کتاں میں

آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ   خاطر کی طرح گرہ رہے وہ

بولا وہ فسردہ دل سحر گاہ   کیا سرد ہوا ہے، واہ وا واہ!

بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے   جو غنچے کو گل کرے، صبا ہے

بولا وہ یہی تو چاہتا ہوں   گل پاؤں، تو میں ابھی ہوا ہوں

پیراہنِ گل کی بو تھی مطلوب   یوسف نے کہا وہ حالِ یعقوب

اوّل، کہی بد نگاہی اپنی   بعد اس کے، وہ سب تباہی اپنی

کھولی تھی زباں منھ اندھیرے   190   کہتے سنتے اُٹھے سویرے

پوچھا تمالہ نے مری جان!   ہم جنس ملا، نکالے ارمان؟

بولی وہ کہ کہتے آتی ہے شرم   دِل سرد رہا، بغل ہوئی گرم

ناکامی کے جب وہ طور سمجھی   وہم اس کو ہوا، کچھ اور سمجھی

پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے؟   درماں ہے، کہ دردِ لادوا ہے؟

بولی وہ کہ ہے تو درد لیکن   تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن

وہ بولی جو تو کہے زباں سے   تارے لے آؤں آسماں سے

چہرے کو چھپا کے زیرِ چادر   محمودہ نے کہا کہ مادر

باپ اس کا ہے اندھے پن سے مجہول   مطلوب بکاولی کا ہے پھول

دل داغ اُس کا برائے گل ہے   نرگس کے لیے ہوائے گل ہے

ساعی تھی بہ دِل یہ کہنے والی   200   راہ اُس نے سرنگ کی نکالی

دیووں سے کہا کہ چوہے بن جاؤ   تا باغِ اِرم سرنگ پہنچاؤ

سن حاجتِ نقب بہر گل گشت   کترا چوہوں نے دامنِ دشت

ہوشیارہ زمیں کے دل میں کی راہ   حلہ باندھ کے، خوش پھرے اسی راہ

جب مہرِ تہ زمیں سمایا   اس نقب کی رہ وہ آدم آیا

صحنِ چمنِ اِرم میں اک جا   ٹوٹا سا تہِ زمیں سے نکلا

کھٹکا جو نگاہبانوں کا تھا — دھڑکا یہی دل کا کہہ رہا تھا
گوشے میں کوئی لگا نہ ہووے! — خوشہ کوئی تاکتا نہ ہووے!
گو، باغ کے پاسباں غضب تھے — خوابیدہ بہ رنگِ سبزہ سب تھے
نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند — سوسن کی زباں خدا نے کی بند
210 خوش قد وہ چلا گل و سمن میں — شمشاد رواں ہوا چمن میں
ایوانِ بکاولی جدھر تھا — حوض، آئنہ دارِ بام و در تھا
رکھتا تھا وہ آب سے سوا تاب — چندے خورشید، چندے مہتاب
پھول اُس کا اندھے کی دوا تھا — رشکِ جامِ جہاں نما تھا
پانی کے جو بلبلوں میں تھا گُل — پہنچا لبِ حوض سے نہ چنگل
پوشاک اُتار، اُتر کے لایا — پھولا نہ ہو جامے میں سمایا
گُل لے کے بڑھا ایاغ بر کف — چوری سے چلا چراغ بر کف
بالا دری واں جو سونے کی تھی — سو خواب گہِ بکاولی تھی
گول اس کے ستون تھے ساعدِ حور — چلمن مژگانِ چشمِ مخمور
دکھلاتا تھا وہ مکان جادو — محراب سے، در سے، چشم و ابرو
220 پردہ جو حجاب سے اُٹھایا — آرام میں اُس پری کو پایا
بند اُس کی وہ چشمِ نرگسی تھی — چھاتی کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی
سمٹی تھی مُحرمِ اُس قمر کی — بُرجوں پہ سے چاندنی تھی سرکی
پلٹے تھے جو بال کروٹوں میں — بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
چاہا کہ بلا گلے لگائے — سوتے ہوئے فتنے کو جگائے
سوچا کہ یہ زلف کف میں یعنی — ہے سانپ کے منھ میں انگلی دینی
یہ پھول، اِلٰہی اژدہوں کا ہے مَن — یہ کالے، چراغ کے ہیں دشمن
گُل چھن کے، ہنسی نہ ہوئے بالکل — خندہ، نہ ہو برقِ حاصلِ گُل
پھر سمجھیں گے، ہے جو زندگانی — کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
انگشتری اپنی اُس سے بدلی — مہرِ خطِ عاشقی سند لی
230 آہستہ پھرا وہ سرو بالا — سایہ بھی نہ اُس پری پہ ڈالا

ہیبت سا زیں کے دل میں آیا　　اندیشے کی طرح سے سمایا
جب نقب افق سے مہرِ تاباں　　نکلا، تو وہ ماہ روشنا باں
گل ہاتھ میں مثلِ دستِ بیضا　　اس نقب کی آستین سے نکلا
وہ دیونی اور وہ دختِ انساں　　دونوں تھیں اسی کی منتظر واں
گل لے کے، جب آ ملا وہ گلچیں　　235 اس نقب کی رخنہ بندیاں کیں

یہ مثنوی ۱۲۵۴ھ میں مکمل ہوئی۔ خود دیاشنکر نسیم نے فارسی میں تاریخ تصنیف مثنوی کہی ہے:-

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد
گلزار نسیم نام بنہاد
بشنید و نوید ہاتفے داد
"توقیع قبول روزیش باد"

۱۲۵۴ھ

اسی تاریخ تصنیف سے مثنوی کا نام گلزار نسیم ہونے کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

حوالہ جات

اردوئے قدیم :- مصنف :- پروفیسر نصیر الدین ہاشمی، حیدرآباد
اردو مثنوی کا ارتقا :- مصنف :- پروفیسر عبدالقادر سروری،
ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ

اردو مثنوی شمالی ہند میں :- جلد اوّل و دوم - پروفیسر گیان چند جین
ارشاد نامہ: شاہ برہان الدین جانم مرتبہ :- پروفیسر محمد اکبر الدین صدیقی
اردو کی دو قدیم مثنویاں :- از اسمٰعیل امروہوی مرتبہ :- نائب حسین نقوی
ابراہیم نامہ: مصنف :- عبدل بیجاپوری مرتب :- پروفیسر مسعود حسین خاں
شعبۂ لسانیات، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
ابلیس نامہ :- علاء الدین فقیر، پروفیسر مبارز الدین رفعت، پروفیسر اکبر الدین صدیقی۔
پھول بن :- مصنف : ابن نشاطی، مرتب، پروفیسر اکبر الدین صدیقی، ترقی اُردو بیورو،
ایڈیشن

تصویر جاناں :- لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی
تذکرہ اُردو مخطوطات :- پروفیسر قادر محی الدین زور، جلد اول تا پنجم
تاریخ ادب اردو، حصہ اوّل :- ڈاکٹر جمیل جالبی
خاور نامہ :- مصنف :- رستمی - مرتب :- چاند حسین شیخ، مطبوعہ ترقی اردو بورڈ، کراچی
خنجر عشق از - امیر اللہ تسلیم لکھنوی، مرتب :- ڈاکٹر فضل امام
دکن میں اردو :- مصنف، نصیر الدین ہاشمی، ترقی اُردو بیورو، ایڈیشن
سحر البیان :- میر حسن، مرتب :- پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔

سنگھاسن بتیسی :- از فقیر - مرتب :- افسر صدیقی - انجمن ترقی اُردو، پاکستان -
سیف الملوک و بدیع الجمال :- مصنف :- غواصی - مرتب :- میر سعادت علی رضوی -
شمالی ہند کی سب سے قدیم مثنوی :- از ڈاکٹر عبدالحق اردو، اپریل ۱۹۵۱ء
عاشور نامہ روشن علی :- مرتب :- پروفیسر مسعود حسین خان
علی نامہ از نصرتی :- پروفیسر عبدالمجید صدیقی، سلسلۂ یوسفیہ، حیدرآباد -
قطب مشتری از ملا وجہی :- مرتب :- مولوی عبدالحق - انجمن ترقی اُردو، پاکستان - ۱۹۵۳ء
قصۂ بے نظیر از صنعتی :- مرتب :- پروفیسر عبدالقادر سروری - سلسلۂ یوسفیہ، حیدرآباد -
کلیات سراج از سراج :- مرتب :- پروفیسر عبدالقادر سروری - ترقی اُردو بیورو، ایڈیشن -
کلیات شاہی از شاہی :- مرتب :- ڈاکٹر زینت ساجدہ، حیدرآباد -
کتابیات اُردو مثنوی مدوین :- ڈاکٹر فہمیدہ بیگم، بنگلور -
کشف الوجود از شاہ داول :- مرتب :- اکبر الدین صدیقی، حیدرآباد -
کلیات میر :-
کلیات سودا :- مرتب :- پروفیسر محمد حسن، ترقی اُردو بیورو -
یوسف زلیخا :- احمد - مرتب :- پروفیسر سیدہ جعفر -
گلزار نسیم :- دیا شنکر نسیم - مرتب :- پروفیسر ظہیر احمد صدیقی -
بحر المعانی :- ڈاکٹر جاوید وششٹ -
دکنی اردو کی لغت :- پروفیسر مسعود حسین خاں / پروفیسر غلام عمر خاں
ریاست میسور کی اردو مثنویاں، ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

مصنف کی دیگر مطبوعات

۱۔ شعور زبان (تیسرا ایڈیشن) — ڈاکٹر فہمیدہ بیگم — ۹۰/=
۲۔ کتابیات اردو مثنوی — ڈاکٹر فہمیدہ بیگم — ۱۸/=
۳۔ 'Outlines of Islamic Culture' انگریزی — ڈاکٹر فہمیدہ بیگم، ایم۔ کے محمد ابن مخدوم — ۲۵۰/=
۴۔ اردو مثنویاں مطالعہ اور تدریس — ڈاکٹر فہمیدہ بیگم — ۱۰۰/=
۵۔ قدیم مثنویاں - ایک مطالعہ — ڈاکٹر فہمیدہ بیگم — زیر طبع
۶۔ ڈاک گھر - ترجمہ از (رابندر ناتھ ٹیگور) ترتیب — ڈاکٹر فہمیدہ بیگم — زیر طبع
۷۔ قدیم اردو میں نثر (دوسرا ایڈیشن) — ڈاکٹر فہمیدہ بیگم — زیر طبع
۸۔ تقابلیہ اردو قواعد — ڈاکٹر فہمیدہ بیگم — زیر ترتیب
۹۔ انتخاب کلام شاکر ناجی — ڈاکٹر فہمیدہ بیگم — زیر ترتیب
۱۰۔ اکبر الٰہ آبادی کی شاعری - ایک جائزہ — ڈاکٹر فہمیدہ بیگم — زیر طبع

دیگر مطبوعات

غزلیات غالب کا عروضی تجزیہ — صغیر النساء بیگم — ۴۵=۰۰
کاروباری خط و کتابت — کے محمد احمد ابن مخدوم — ۲۲-۰۰
حیات وجہی — ڈاکٹر نور الدین — ۵۰-۰۰

تقسیم کار:-

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، گلی عزیز الدین وکیل کوچہ پنڈت لال کنواں، نئی دہلی۔
ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۹ گولا مارکیٹ دریا گنج، نئی دہلی۔
مکتبہ جامعہ۔ رحمت اللہ روڈ، بمبئی۔
اسٹوڈنٹ بک ڈپو چار مینار، حیدرآباد۔
اردو لائبریری سنٹر سٹی مارکیٹ بنگلور۔
بک امپوریم سبزی باغ پٹنہ۔